لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

۷۸۶ ———— ۹۲ ۵

بدعت حسنہ

مصنفہ

امام المحققین الحاج حضرت مولانا صحوی شاہ صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ

اخذ و ترتیب
مولانا غوثوی شاہ صاحب خلف خلیفہ و جانشین حضرت صحوی شاہ صاحبؒ

ناشر
ادارۂ النور: بیت النور، چینچل گوڑہ، حیدرآباد - ۲۴

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انتسابؔ

الوہیتِ الٰہیہ، رحمتِ محمدیہؐ وفیضانِ شیوخ سلسلۂ غوثیہ کمالیہ کے واسطے سے میں اس کتاب کو ان بندوں کے اخلاصِ عمل سے انتساب کرتا ہوں جو کسی بات کو اچھی طرح سن کر اس پر چلتے ہیں اور خدا کی طرف سے "الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ" کی بشارت پاتے ہیں۔

فقط

الفقیر الی اللہ

صحوی شاہ

خلف حضرت پیر غوثی شاہ سجادہ نشین سلسلۂ غوثیہ کمالیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قولِ ثقیل

کہتا ہوں وہی بات سمجھتا ہوں جسے حق ، نے ابلہ مسجد ہوں نہ تہذیب کا فرزند

ایک عرصہ سے ارادہ تھا کہ ایک ایسی کتاب لکھی جائے جس میں بدعت حسنہ و سیئہ کا فرق واضح ہو۔ کیونکہ اس دور میں مسلمانوں میں دین سے غفلت اور لاپرواہی حد سے بڑھ چکی ہے، اور جو مسلمان کسی قدر مائل بہ عمل ہیں تو وہ کسی نہ کسی کے حلقہ بگوشِ اطاعت ہو چکے ہیں۔ کوئی کسی جماعت سے وابستہ ہے تو کوئی کسی ادارہ سے مربوط۔ اور اس طرح موجودہ دور کے بعض اہلِ طریقت میں پیروں کی مناپولی (اجارہ داری) نے مریدوں کو جتھوں جتھوں میں بانٹ دیا ہے، حالانکہ یہی اہلِ طریقت کبھی نمونہ تھے صحابہ رضؓ کی طرزِ معاشرت کا لیکن آج خانقاہوں میں بقول اقبال کے ؎

نہ زندگی نہ محبت، نہ معرفت نہ نگاہ

اور اسی بے راہ روی کی وجہ سے مسلمان اپنی اجتماعی زندگی کا سرمایہ لٹا چکا اور کچھ جو انفرادیت رہ گئی ہے سو اسے بھی لٹ جانے میں دیر نہ ہوگی کہ موجودہ مسلمانوں میں بنیادی طور پر دینی تعلیم کا فقدان ہو چکا ہے۔ ایک

عامی مسلمان کے لئے جو ضروری و ظاہری مسائل کی ضرورت ہوا کرتی ہے تو وہ اس سے قطعاً ناشناس ہے اور افسوس ہے کہ بہ استثنائے چند اس دور کے اکثر پیر و مشائخ بھی علوم دین سے نابلد ہیں۔ کسی کو طہارت کے مسائل معلوم نہیں تو کسی کو نماز پڑھنے کا صحیح ڈھب یاد نہیں اور کوئی ٹھیک طور سے قرآن کو نہیں پڑھ سکتا تو کوئی اپنی ہمہ دانی کے زعم میں نماز میں سورتوں اور آیتوں کی ترتیب سے بے خبر ہے۔ اور کوئی ہلدی کی گانٹھ پا کر خود کو پنساری سمجھا ہوا معمولی عربی دانی پر ہی مفسر بن گیا ہے۔ بڑے بڑے جلسوں میں چھوٹے چھوٹے سورتوں کی تفسیر میں فاحش تو نہیں مگر فاش غلطیاں کر جاتا ہے اور پھر اپنی نخوتِ جہل میں سامعین و حاضرین کو قارئین کرام کہہ کر مخاطب کر جاتا ہے۔ غرض یہ دور چونکہ قریب بہ قیامت ہے اسلئے دنیا میں اکثر بہ جگہ اعتبار احسان حدیث نا اہلوں کا تسلط ہو چکا ہے خواہ وہ تختِ حکومت ہو یا مسندِ رشد و ہدایت یا مدرسۂ دین و شریعت۔ اقبال کا شعر ہے ؎

مکتب و مدرسہ جز درس نبودن نہ دہند
بودن آموز کہ ہم باشی و ہم خواہی بود

غرض عصرِ حاضر میں مسلمانوں میں علاوہ معاشی انحطاط کے دینی عسرت و فلاکت بھی بہت حد تک پہنچ چکی ہے جس کے لئے اب یہی چارۂ کار ہے کہ قوم میں دینی شعور پیدا ہو، ہر مسلمان اور ہر چھوٹی

بڑی شخصیت کو تحصیلِ دین کا شغف ہو۔ اور بالخصوص وہ مشائخ و پیر (بہ استثنائے چند) جو منصبِ طریقت پر فائز ہیں اور علم ظاہر سے نا آشنا ہیں انہیں چاہیئے کہ ظاہری علم بھی بقدرِ ضرورت جیسے اہم مسائلِ شرعیہ، تجوید، اصولِ حدیث، اصولِ تفسیر اور اصولِ قرآن وغیرہ کی تحصیل کریں اور اس میں حجاب نہ رکھیں۔ مانا کہ وہ اپنے علم طریقت و تصوف میں مجددِ وقت شیخ اکبر اور جنید بغدادی ہو چکے ہیں اور علماء کرام کو بھی چاہیئے کہ وہ تعلیم دین و ہدایت کے لئے مسلمانوں سے بہت قریب اور مسلمان اپنے مذہب سے قریب ہو جائیں کیونکہ یہ مذہب ہی سے بیگانگی کا نتیجہ ہے کہ عامۃ المسلمین میں خیر و شر کی تمیز جاتی رہی۔ کوئی تو سنت، فرض اور واجب کا فرق نہیں جانتا، تو کوئی مباح، مستحب، جائز اور ناجائز کا امتیاز نہیں رکھتا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعض جائز کام بھی ناجائز قرار پا گئے اور وہ بھی بدعتِ وضلالہ کا نام پا گئے۔ حالانکہ یہ تو سب ہی جانتے ہیں کہ ہر چیز کی ایک ضد ہوا کرتی ہے اور یہ نہ ہو تو پھر امتیاز ہی جاتا رہے گا۔ جیسے کفر کی ضد اسلام، توحید کی ضد شرک، علم کی ضد جہل اور ایمان کی ضد نفاق ہے۔ غرض ان بے شمار مثالوں کی روشنی میں بدعتِ سیئہ وضلالہ کی ضد میں بھی کوئی بدعت ضرور ہی ہو گی اور ہے جسے "بدعتِ حسنہ" کہا جائے گا اور یہی قرآن کا بھی ارشاد ہے۔

لاتستوی الحسنۃ ولا السیئۃ پ ۲۴ ع ۱۸۔ یعنی حسنہ وسیئہ کبھی برابر نہیں ہو سکتے۔ غرض حسنہ وسیئہ کے اس امتیاز کو واضح کرنے اور ان امور واعمال پر جو حسنہ کی تعریف میں داخل ہیں اور جن سے عوام اپنی غلط فہمی یا بعض حضرات کی ادھوری رہنمائی کی وجہ سے کنارہ کش ہوئے یا ہوتے جارہے ہیں۔ ضرورت سمجھی گئی کہ قرآن حدیث اور اعمالِ صحابہؓ کی روشنی میں آئمہ کبار فقہاء، مشاہیر ومعتبر علماء کے اقوال وآراء کے مستند حوالوں کے ساتھ ایک کتاب مرتب کی جائے تاکہ سنجیدہ و فہمیدہ حضرات غیر جانبدارانہ طور پر اسے پڑھ کر مستفید ہوں اور دوسروں کے لئے ہدایت کا سبب بنیں۔

کیونکہ آج کل اشاعت کتاب وسنت کے عنوانِ خیر سے بہت سے شر برپا ہو رہے ہیں۔ جس کی اصل وجہ یہ ہے کہ بعض حضرات نے ہر بدعت کو محض شرک سمجھ لیا ہے، حالانکہ کسی عمل کا تعلق اس کے عقیدہ سے ہے اسی لئے تعبد وتعظیم میں فرق کرنا ضروری ہوا اگر اعتبارات تعبد میں سجدہ، رکوع، طواف، دعا، قربانی، منت داخل ہیں تو استدعا، توسل اور احلال ——— اعتبارات تعظیم ہیں۔

مگر عدم امتیاز کی وجہ سے ان حضرات نے کچھ کا کچھ سمجھ لیا ہے اور کبھی یہ نہ دیکھا کہ بہت سے ایسے چھپے ہوئے شرک موجود ہیں جن تک ہماری

نگاہ ابھی پہنچی نہیں ہے۔ وَمَا یُؤمِنُ اَکثَرُهُم بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُم مُشرِکُونَ۔ بہرحال ضرورت ہے کہ ان شرور وفتن کا استیصال کیا جائے اور اس کے لئے مسلمان متحد ومتفق ہو کر یک جہتی ویکدلی سے خدا کی بارگاہ میں رجوع رہیں۔

اب وقت ہے کہ وہ جماعتیں جو شدت کے ساتھ سنت یا بدعت کی ترویج پر سختی سے اڑی ہوئی ہیں انہیں چاہیئے کہ اپنے اصول میں نرمی اختیار کریں۔ امور مستحبہ میں کبھی وہ ان کی بات مان لیں تو کبھی یہ ان کا کہا سن لیں اور کسی امر مباح پر بہ ضد ہو کر اس کا التزام ضروری نہ سمجھیں تاکہ اس طرح کے اتحاد سے عمل سے مسلمانوں میں پھر "رُحَمَآءُ بَینَهُم" کی شان پیدا ہو جائے اور ذرا ذرا سی بات پر مخاصمت کا بیج بویا نہ جائے۔

پیشِ نظر کتاب میں بہت سے قابلِ تسلیم اور مستند حوالوں کو جمع کر کے "تفویض الی اللہ" قلم اٹھایا گیا ہے۔ مجھے اعتراف ہے کہ مَیں اپنی کوتاہی علم وفہم کی وجہ سے صحیح طور پر اظہار مافی الضمیر نہیں کر سکا ہوں، لیکن تحدیث نعمت کے طور پر اس کا اظہار بھی ضروری ہے کہ الحمدللہ نیت بخیر ہی ہے اور اسی سہارے انشاء اللہ توقع ہے کہ اس کتاب کو پڑھنے والوں کو اس بات پر

من اللہ انشرح ہو جائے گا۔ جیسے اگر میں برابر واضح نہیں کر سکا ہوں۔ فمن یرد اللہ ان یہدیہ یشرح صدرہ للاسلام (پ ۸ ع ۲)

خدا کرے کہ میری یہ سعی ناتمام عند اللہ مقبول ہو جائے تاکہ میں اپنے اعمالِ صالحہ کی تہی دامنی کے باوجود اس کو ذخیرۂ آخرت اور اپنے لئے سامانِ مغفرت بنا سکوں کہ منشائے دل تو بس یہی ہے کہ مسلمان پھر مسلمان ہو جائیں۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ "یاایہا الذین آمنوا، آمنوا باللہ ورسولہ (پ ۵ ع ۱۶) آہ کاش خمخانۂ حیات وعمل میں دورِ صحابہؓ وصالحین کا ایک دور پھر چل جائے اور دلوں میں ایمان کا احساس اور عمل میں للّٰہیت واخلاص پیدا ہو جائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

الفقیر الی اللہ

صحوی شاہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بدعتِ حسنہ

لغت میں کسی انوکھی چیز کی ایجاد کو اور اصطلاح اسلام میں اختراع فی الدین کو بدعت کہتے ہیں لیکن بعض حضرات نے ہر اچھے عمل کو بھی جو بظاہر حضور صلعم کے بعد صحابہ و تابعین کے دور میں نہیں پایا گیا اور جس کے کرنے میں خیر ہی خیر ہے اُسے بھی بدعتِ ضلالہ کا نام دیدیا حالانکہ علماء نے بدعت کی پانچ قسمیں قرار دی ہیں۔ جو واجب مندوب، مباح، مکروہ اور حرام کے نام سے متعارف ہیں۔

بدعتِ واجبہ جیسے علم نحو کی تعلیم اور کلام اللہ کی تلاوت کے لئے اعراب لگانا وغیرہ۔

بدعتِ مندوب جیسے مدارسِ دینیہ وغیرہ کا قیام

بدعتِ مباح جیسے کھانے پینے کی چیزوں میں لذیذ اشیاء کا استعمال

بدعتِ مکروہ جیسے مساجد میں غیر معمولی تزئین و آرائش کا اہتمام

بدعتِ حرام جیسے فرقہائے باطلہ کا ظہور و خروج

لطف تو یہ ہے کہ بعض علماء ظواہر نے بھی اکثر امورِ خیر یا ایجادات

صوفیاء کو اپنی مصطلحہ بدعات میں شامل نہیں کیا ہے اس لئے کہ انہوں نے اپنی ان بدعات کی تعریف کو بہت ہی محدود کر دیا ہے حالانکہ انہوں نے بدعت کی جو قسمیں ٹھہرائی ہیں ان میں صرف بدعتِ حرام کو چھوڑ کر مابقی بدعات میں یہ امورِ خیر خود ہی جذب ہو جاتے ہیں۔

جیسے بدعتِ واجبہ میں علم نحو کی طرح اصطلاحاتِ تصوف کی تدوین کا کام۔

اور بدعتِ مندوب میں تعمیر خانقاہ و تربیت طریقت کا انتظام۔

اور بدعتِ مباح میں اذکار اوراد و سماع کا اہتمام۔

اور بدعتِ مکروہ میں تزکیۂ نفس کے لئے ریاضت شاقہ کا انصرام

ظاہر ہے کہ ان امورِ مذکرہ صدر کے ارتکاب سے کسی قسم کے گناہ کا اثبات تو نہیں ہو رہا ہے کیونکہ یہ بدعات من وجہہ عمل ناجائز ہی کی تعریف میں داخل ہیں۔ اور اس صورت میں ان بدعات کا اجمالاً دو ناموں سے امتیاز کیا جا سکتا ہے۔ ایک بدعتِ حسنہ، دوسری بدعتِ سیئہ۔

حضرت مولانا شاہ رفیع الدین محدث دہلوی رح ابن حضرت مولانا شاہ ولی اللہ رح محدث دہلوی نے اپنے فتاویٰ میں تحریر فرمایا کہ "بدعت دو طرح کی ہے ایک وہ جس کے ضابطوں میں بری بات پائی جائی اور شرع میں اس کا مثل نہ ہو یہ بدعتِ

سیئہ یعنی خراب ہے۔ اور دوسری وہ جس کے لئے شرع میں کوئی قاعدہ صحیح ہووے اور اس میں دینی فائدے پائے جاتے ہوں یہ بدعتِ حسنہ ہے یعنی اچھی یا مباح ہے۔

(بحوالہ اردو ترجمہ فتاویٰ مطبوعہ بنگلور)

اس طرح بدعت کی ان اجمالی دو قسموں سے یہ بات واضح ہوئی کہ بدعتِ حسنہ وہ عملِ جائز ہے جس کی اصل کتاب و سنت سے ثابت ہو اور بدعتِ سیئہ وہ عملِ ناجائز ہے جس کی اصل کتاب و سنت میں نہ ہو پھر اس کی بھی دو قسمیں ہیں ایک بدعتِ عملی دوسری بدعتِ علمی۔ اب رہا لفظ بدعتِ حسنہ ہی کی ایجاد اور اس کے جواز کا ثبوت کہاں ہے تو اس کے لئے حضور صلعم کی یہ حدیثِ مبارک بہت کافی ووافی ہے۔ "من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو رد" یہ صحیحین کی حدیث ہے یعنی "جس نے نکالی ہمارے اس دین میں وہ بات جو دین کی قسم سے نہیں تو وہ بات رد ہے۔" شارحین نے "ما لیس منہ" کی شرح میں لکھا ہے کہ <u>فیہ اشارۃ الی ان احداث ما لاینازع الکتاب والسنۃ لیس بمذموم</u>۔

اور محدث دہلویؒ نے لکھا ہے کہ

"مراد چیزے است کہ مخالف و مغیر دین باشد"

اور مترجم مشکوٰۃ نواب قطب الدین خاں نے بھی لکھا ہے کہ ما لیس منہ میں اشارہ ہے اس کی طرف کہ نکالنا اس چیز کا کہ مخالف کتاب و سنت نہ ہو۔" انہیں ابو داؤد نے اس حدیث کی ان الفاظ سے روایت کی ہے۔ "من صنع امراً علیٰ غیر امرنا فھو رد" پس کسی نئی نکالی ہوئی بات کا رد ہونا اس بات پر موقوف ہے کہ وہ مخالف کتاب و سنت ہے جس کی کہیں کوئی اصل نہیں ہے اور یہ ایک اصولی بات ہے کہ جب کوئی حکم کسی امر مقید پر ہوتا ہے تو وہ راجع ہوتا ہے قید کی طرف جیسا کہ اوپر کی حدیث میں "فھو رد" حکم ہے جو اصل احدیث کی بجائے "ما لیس منہ" کی طرف راجع ہوگا یعنی جو نئی بات مخالف دین ہوگی وہی رد ہوگی نہ کہ کوئی اچھی اور عمدہ و صالح بات بھی جس کی اصل قرآن و حدیث سے ثابت ہو وہ بھی رد ہو جائے۔ قاعدہ عربی کے طور پر معنی کرنے سے اسی حدیث سے ثابت ہو گیا کہ بدعتِ حسنہ یعنی اچھی بات کا ایجاد کرنا برا نہیں۔ ورنہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو احداث کو مقید لفظ "ما لیس منہ" کے ساتھ نہ فرماتے بلکہ یوں فرما دیتے۔ من احدث فی امرنا فھو رد اور ما لیس منہ بڑھانے کی ضرورت ہی نہ ہوتی" (ماخوذ)

ایک اور حدیث، حضرت جریر رضی اللہ عنہ صحابی فرماتے ہیں کہ ایک دن

ہم قریب نصف النہار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے
پاس بیٹھے ہوئے تھے، پھر آپ کے پاس ایک قوم کے
لوگ آئے جن کے بدن پر لباس نہیں تھا جسم پر سیاہ و
سفید دھاری کا کمبل یا صرف عبا پہنے ہوئے تھے گردنوں
میں تلواریں لٹکی ہوئی تھیں اکثر بلکہ سب کے سب قوم مضر
سے تھے۔ ان کی معاشی پریشان حالی کو دیکھ کر رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ مبارک متغیر ہو گیا۔ آپ فوراً
گھر میں تشریف لے گئے اور پھر باہر نکل آئے اور حضرت
بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اذان کا حکم دیا۔ پھر بعد تکبیر و
اقامت، نماز پڑھی اور لوگوں کو مخاطب فرما کر یہ آیتیں
پڑھیں کہ "اے لوگو! ڈرو اللہ سے جس نے تم کو ایک
جان سے پیدا کیا۔ جس کی آخری آیت یہ ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ
کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْبًا (بے شک اللہ تعالیٰ تم پر نگران ہے) (پ۴ع۱۲)
اور سورۂ حشر کی یہ آیت پڑھی۔ اِتَّقُوا اللّٰہَ وَلْتَنْظُرْ
نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ (اللہ سے ڈرو اور ہر شخص کو کوئی
کام کرتے وقت یہ غور کر لینا چاہیئے کہ وہ کل (حیات
بعد الموت) کے لئے کیا کر رہا ہے) (پھر فرمایا) انسان کو

چاہیئے کہ خیرات کرتا ہے. اپنے دینار و درہم سے' کپڑے سے' گیہوں اور کھجور سے' فرمایا اگرچہ کھجور کا ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو. پس انصار میں سے ایک صاحب بھرا ہوئی وزنی تھیلی لے آئے اتنی وزنی کہ ہاتھ بوجھل ہو گیا. پھر لوگوں نے ان کی اتباع میں اپنا مال لانا شروع کیا یہاں تک کہ دیکھا میں نے دو تودے غلّے و کپڑے کے اور دیکھا میں نے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ مبارک خوشی سے چمک اٹھا گویا کہ سونے سے ملمع کی ہوئی چاندی۔

آپ نے فرمایا جس نے اسلام میں کوئی اچھا طریقہ جاری کیا وہ اس کا بدل پائے گا. اور جس نے اس کے بعد اس طریقہ کو جاری رکھا (یا اس کے مطابق عمل کیا) وہ بھی اجر پائیگا پہلے شخص کے اجر میں کمی ہوئے بغیر اور جس نے کوئی برا طریقہ جاری کیا اس کا گناہ اسی کو ہوگا اور اس کو بھی ہوگا جس نے اس کے بعد اس کے مطابق عمل کیا پہلے لوگوں کے گناہ میں کمی ہوئے بغیر (مسلم)

صحیح مسلم کی اس حدیث کے ترجمے میں صاحب مجمع البحار اور امام نووی نے بھی یہی معنی لکھے ہیں کہ جس نے جاری کیا اسلام میں

طریقۂ نیک پھر اس کے بعد اس طریقۂ حسنہ پر عمل کیا گیا تو لکھا جائے گا اس شخص کے واسطے اسی قدر اجر و ثواب کہ جس قدر سب عمل کرنیوالوں کو اس کے بعد ہوگا اور ان لوگوں کے ثواب میں سے کچھ کاٹ کر اس کو نہ دیں گے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ دونوں کو اپنے خزانۂ لامتناہی سے ثواب دے گا اور وہ طریقہ جو اس نے جاری کیا ہے خواہ وہ طریقہ ایسا ہو کہ اس سے پہلے ایجاد کیا گیا لیکن کسی سبب سے بند ہو گیا تھا اس نے پھر اس کو جاری کر دیا، یا یہ کہ پہلے اس سے وہ طریقہ ایجاد ہی نہیں ہوا تھا اس نے خود اپنی طرف سے اس کو ایجاد اور جاری کیا وہ طریقہ خواہ کسی علم کی تعلیم ہو یا عبادت ہو یا طریقہ ادب کا ہو۔ اس حدیث سے نہ صرف جواز بدعت حسنہ ہی ثابت ہے بلکہ خیر جاریہ کا بھی اثبات ہوتا ہے کہ بانی خیر پر علی الدوام ایصالِ ثواب ہوتا ہی رہے گا۔

اب رہا کسی کا یہ اعتراض کہ اس حدیث کو کتاب اعتصام وسنت کے باب میں بیان ہی نہیں کیا گیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایسی بہت سی احادیث ملیں گی جن کو ان کے موضوع کے لحاظ سے مناسب باب میں جگہ نہیں دی گئی ہے جیسے صحیح مسلم میں کتاب الحیض کے تحت تیمم یا بیت الخلاء جاتے وقت کی دعا پر احادیث جمع کی گئی ہیں لیکن اس جمع و ترتیب سے نفسِ مضمون تو متاثر نہیں ہو پاتا اور اگر یہ

تسلیم ہے تو پھر تیمم یا بیت الخلاء جاتے وقت کی دعا کو حائضہ عورتوں کے لئے ہی ضروری سمجھا جائے اور اس سے مردوں کو الگ ہی سمجھنا چاہیئے۔ اور اگر کوئی بے سمجھے بوجھے اوپر کی حدیث سے قطع نظر کرتا ہوا۔ ان احادیث کو پڑھ کر کہ شر الامور محدثاتہا دکل بدعۃ ضلالۃ یاوایاکم ومحدثات الامور فان کل محدثۃ بدعۃ ضلالۃ ۔ بلاامتیاز نیک وبد ہر عمل پر بدعتِ ضلالہ کا فتویٰ چسپاں کر دے تو اسے اپنی تقصیرِ علم وفہم پر صفِ ماتم بچھا لینی چاہیئے۔

شامی شارح درِ مختار نے بھی اوائلِ جلد اول میں حدیث "من سنّ فی الاسلام سنۃ" کے یہی معنے لکھے ہیں کہ کل من ابتدع شیاء من الخیر کان لہٗ مثل اجر کل من یعمل بہ الی یوم القیامۃ یعنی جو کوئی جب کبھی کوئی طریقہ نیک ایجاد کرے گا تو اس کو تا قیامِ قیامت ثواب ہوتا رہے گا۔ اسی وجہ سے خصوصی علماءِ شریعت نے طرح طرح کے اصول وقواعد ایجاد کئے اور ان کے علاوہ علماءِ باطن یعنی مشائخ طریقت نے بھی تزئینِ قلب وتزکیۂ نفس کے لئے طرح طرح کے مجاہدات واشغال، اذکار مراقبات اور اوراد وظائف ایجاد کئے جس کی اصل بہ اعتبارِ کتاب وسنت "واذکروا اللہ ذکراً کثیراً"

(قرآن) اور "فاکثروا من قول" (حدیث) سے ثابت ہے مائۃ مسائل میں اس سوال کے جواب میں کہ بدعتِ حسنہ کے لئے کوئی خاص زمانہ یعنی قرونِ ثلثہ یا دورِ تابعین ہی کی قید ہے یا نہیں اور اس کے جواز وغیر جواز پر لکھا ہے "غیر محدود است" یعنی غیر محدود ہے، زمانہ کی کچھ قید نہیں قیامت تک بدعتِ حسنہ جائز ہے۔

رہی بات یہ کہ **بدعتِ حسنہ کا جواز کن کن**
کے نزدیک ہے تو اس پر سب ہی علماءِ کرام متفق ہیں اور سب کے نزدیک تاقیامت بدعتِ حسنہ جائز ہے۔ اقوال فقہاء و محدثین اس باب میں ہیں کہ سیئہ اور ضلالت وہی بدعت ہے جو مخالف قرآن و حدیث و اجماع کے ہے اور جو بدعت ایسی نہیں وہ درست ہے۔ چنانچہ حضرت امام شافعیؒ نے فرمایا۔ ما احدث وخالف کتابا او سنۃ او اجماعا او اثرا فھو البدعۃ الضلالۃ وما احدث من الخیر۔ ولم یخالف من ذالک فھو البدعۃ المحمودۃ بیہقی نے بھی حضرت امام موصوف سے یہی روایت کی ہے کہ بدعت دو طرح ہے مذمومہ اور غیر مذمومہ۔ حجۃ الاسلام حضرت امام غزالیؒ نے بھی کتاب احیاء العلوم کی جلد اول میں بتایا ہے کہ "ولا یمنع ذالک من کونہ محدثا فکم من محدث حسن" یعنی کسی بات کو

اس لئے نہیں روکا جائے گا کہ وہ نئی ہے کیونکہ بہت سی نئی باتیں اچھی بھی ہوتی ہیں۔ نیز فتاویٰ عالمگیری کی جلد پنجم میں ہے: "وکم من شیٔ کان احداث وھو بدعۃ حسنۃ" یعنی بہت سی نئی باتیں بدعتِ حسنہ ہیں۔ یہ اس لئے بھی کہ الفاظ حدیث "ما لیس منہ فھو رد" میں احداث کو "ما لیس منہ" کے ساتھ مقید کیا گیا ہے جس کی وجہ سے نئی بات ہی رد ہوگی جو مخالفِ طریقہ دین و اسلام ہوگی یہاں احداثِ خیر اور بدعتِ حسنہ کی طرف کوئی "تخاطب نہ ہوگا" اس طرح یہ حدیث کہ "ما احدث قوم بدعت الا رفع مثلھا من السنۃ ...." الخ یعنی جب کوئی قوم ایجادِ بدعت کرتی ہے تو اس کی مانند سنت اٹھالی جاتی ہے۔ اس سے بھی ظاہر ہے کہ جو عملِ اصلِ دین سے تعلق نہ رکھے گا اس کی ترویج سے ایک سنت کا ارتفاع ہوجائے گا۔ چنانچہ صاحبِ مظاہر الحق نے اسی حدیث کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ نہیں نکالی کسی قوم نے بدعت یعنی جو بدعت کہ مزاحم سنت ہو۔ گویا جو مزاحم سنت نہ ہو وہی بدعتِ حسنہ ہوئی۔

جواز بدعتِ حسنہ پر ایک دلیل ملاحظہ ہو کہ علامہ شرنبلانی نے لکھا ہے کہ نیت نماز کی اصل دل سے ہوتی ہے اور اس کا منہ سے ادا کرنا مستحب ہے **والتلفظ بھا مستحب**

یعنی طریق حسن احب المشائخ لا انه من السنة لا انه لم یثبت عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من طریق صحیح ولا ضعیف ولا عن احد من الصحابہ والتابعین ولا عن احد من الائمۃ الاربعۃ بل المنقول انہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا قام الی الصلوٰۃ کبر فھذہ بدعۃ حسنۃ۔ یعنی نیت زبان سے کبھی حضور صلعم، صحابہ تابعین اور مجتہدین سے ثابت نہیں اور اس کے باوجود حکم ہے کہ یہ بدعتِ حسنہ ہے، مستحب ہے (حاشیہ درعزیز فقہ حنفی) دُرِمختار نے بھی لکھا ہے کہ زبان سے نیت ادا کرنا ہمارے علماء کی سنت ہے اور شامی نے بھی اس کو علماء کا طریقۂ حسنہ بتایا ہے۔ غرض بہ اتفاق فقہا و محدثین یہ بات ثابت ہے کہ بدعتِ حسنہ قطعاً جائز ہے چنانچہ علامہ حلبی نے انسان العیون کی جلد اول میں لکھا ہے۔ وقد قال ابن الحجرؒ ان البدعۃ المحسنۃ متفق علی ندبھا یعنی ابن حجر نے کہا ہے کہ بدعتِ حسنہ کے مندوب اور مستحسن ہونے پر اتفاق کیا جا چکا ہے۔

جوازِ بدعتِ حسنہ پر ایک اور عملی دلیل یہ ہے کہ ابو داؤد، ترمذی و نسائی کی روایات سے واضح ہے کہ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کو دیکھا کہ گٹھلیاں یا کنکریاں لی ہوئی اللہ تعالیٰ کا ذکر کئے جا رہی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو منع نہ فرمایا۔ پس اسی قدر ثبوت پر فقہاء نے مسئلہ نکال لیا۔ لاباس باتخاذ السجۃ یعنی تسبیح کے استعمال میں مضائقہ نہیں ہے۔ اس پر صاحب بحر الرائق اور علامہ شامی، شارح، درمختار اشارہ کرتے ہیں۔

لاتزید السجۃ علی مضمون ھٰذا الحدیث الابضم النوی فی خیط ومثل ذالک لایظھر تاثیرہ فی المنع

اب دیکھئے کہ اس میں تسبیح کی تمام خصوصیات، دانوں کی گنتی تاگا اور امام سب ہی چیزوں پر اشارہ کیا گیا ہے جن پر کوئی امتناع نہیں کیا گیا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس عمل کو بھی بدعت حسنہ ہی قرار دیا گیا ہے۔ اکثر صحابہ نے بھی بعض مواقع پر سکوت ہی کو اولیٰ سمجھا باوجودیکہ وہ منع بدعت پر قادر تھے۔ شاید اس لئے کہ انہیں بعض امورِ مکروہ میں کچھ نہ کچھ خیر ہی نظر آیا ہوگا۔ چنانچہ ایک دفعہ عید کے موقع پر حضرت علیؓ نے دیکھا کہ ایک شخص بعد نماز عید کے نفل پڑھ رہا ہے۔ آپؓ نے اسے منع نہ فرمایا حالانکہ عید کے بعد نفل پڑھنا ممنوع ہے، اس موقع پر کسی نے آپ کو توجہ بھی دلائی تو آپؓ نے جواب دیا کہ مجھے خوف آتا ہے کہ میں کہیں ان لوگوں میں نہ ہو جاؤں جنہیں اللہ تعالیٰ نے جھڑکا ہے

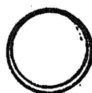
"ارئیت الذی ینہیٰ عبداً اذا صلی" یعنی آپ نے دیکھا اس کو جو منع کرتا ہے بندہ کو جب وہ نماز پڑھتا ہے (یہ واقعہ دُرِ مختار اور دیگر کتب فقہ میں موجود ہے) آج مسئلہ فقہ بھی یہی ہے کہ اگر کوئی نمازِ عید سے پہلے یا بعد نفل نماز ادا کر رہا ہو تو اسے روکا بھی نہ جائے۔

جوازِ بدعتِ حسنہ کیلئے ایک قاعدہ کلیّہ

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں "ما راٰہ المسلمون حسنا فھو عنداللہ حسن" یعنی جس کام کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ خدا کے پاس بھی اچھا ہے۔ اور اسی پر ارشادِ رسالت پناہی بھی ہدایت فرما ہے۔ "اتبعوا السواد الاعظم" یعنی سوادِ اعظم کی پیروی کرو (ابن ماجہ) چنانچہ ملّا علی قاری نے سوادِ اعظم کے تعلق سے لکھا ہے کہ۔ یعبر بہ عن الجماعۃ الکثیرۃ والمراد ما علیہ اکثر المسلمین (حاشیہ ابن ماجہ) اور نواب قطب الدین خان نے مشکوٰۃ کے ترجمہ میں اس حدیث کے یہی معنی لکھے ہیں کہ جو اعتقاد اور قول و فعل اکثر علماء کے ہوں ان کی پیروی کرو۔

حضرت امام شافعیؒ سے بھی بیہقی نے ایک روایت بیان کی ہے کہ نئی بات اگر ایسی ایجاد ہو کہ قرآن، حدیث اور اجماع کے حکموں کو

نہ منافی ہو اور نہ رد کرتی ہو تو وہ بدعتِ حسنہ اور محمود ہے اس کو بُرا نہ کہنا چاہیئے۔ علاوہ ازیں شامی شرح درِ مختار نے بھی لکھا ہے۔ والاعتماد علیٰ ما علیہ الجم الکثیر۔ یعنی عامۃ المسلمین کے گروہِ کثیر کا کسی عملِ خیر پر قائم ہو جانا بھی ایک سند ہے چنانچہ اس خصوص میں خود قرآن بھی ناطق ہے۔ ویتبع غیر سبیل المومنین نولہ ما تولیٰ ونصلہ جہنم وساءت مصیراً ۰ ۵/۱۴ یعنی ہدایت کے واضح ہو جانے کے بعد بھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کنارہ کش ہوا اور اہلِ ایمان (یعنی صالحین و جمہور علماءِ اسلام و متبعین شریعت یا اجماعِ امت) سے الگ الگ ہی چلے تو ہم اس کو اسی راستے پر ڈال دیں گے، اور اسے جہنم پہنچا دیں گے کہ وہ بہت ہی بُری جگہ ہے (ف ۱۴) گویا حدیث کے الفاظ اتبعو السواد الاعظم، پر اللہ تعالیٰ نے "سبیل المومنین" کو اس کے مترادف معنی میں استعمال فرما کر قرآن و حدیث کے بعد ایک میعارِ ہدایت اور بھی عنایت فرمایا ہے جس کے اُجالے میں گمراہی کی کوئی ظلمت آگے نہیں بڑھ سکتی۔



جوازِ بدعتِ حسنہ اور قرآن، ایک حرفِ آخر

سورۂ حدید پارہ (۲۸) میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے

ورھبانیۃن ابتدعوھا ما کتبنٰھا علیھم الا ابتغاء رضوان اللہ فما رعوھا حق رعایتھا ج فاٰتینا الذین اٰمنوا منھم اجرھم ج وکثیرٌ منھم فٰسقون ہ یعنی

رہبانیت ان کی اختراعِ ایجاد ہے جسے ہم نے اُن پر فرض نہیں کیا تھا سوائے تلاشِ مرضیٔ حق کے، سو انہوں نے اپنی اختراع رہبانیت کا کوئی حق رعایت نہیں رکھا۔ پھر جو اُن میں ایمان والے تھے تو ہم نے اس کا اجر ان کو دیا اور ان میں سے اکثر نافرمان ہی رہے۔

الحمدللہ کہ یہ آیتِ پاک جوازِ بدعتِ حسنہ پر کھلی دلیل ہے کہ اگر کوئی اچھا اور نیک کام اپنی طرف سے ایجاد کیا جائے تو اس کے حقوق و لوازم کی نگرانی اور رعایت بھی ملحوظ رہے۔ جیسا کہ اسی آیت سے واضح ہے کہ جب بنی اسرائیل نے خاص اللہ تعالیٰ کی مرضی اور اپنی نفس کشی کے واسطے اپنی طرف سے یہ ایجاد کیا کہ پہاڑوں اور جنگلوں میں جا بیٹھے موٹے کپڑے پہنتے نکاح نہ کرتے، لیکن انجام کار اُن سے پوری حق گزاری نہ ہوئی تب اللہ تعالیٰ نے ان کو فرمایا کہ ان کی یہ ایجادات جو

ہماری رضامندی کے لئے ہیں ان کی اپنی ہی مفروضہ ہیں جیسے ہم نے
ان پر فرض نہیں کیا ہے۔ سو انہوں نے اس کو پوری طرح نہیں نباہا اور
جو ایمان کے ساتھ اُسے نباہ گئے تو انھیں اس ایجاد بدعت کا اجر
بھی ملا اور اکثر اپنے ادھورے عمل کی وجہ سے فاسق ہی رہ گئے
اس میں یہ دلیل واضح ہے کہ جو بدعتیں رضاجوئی حق کے لئے
ہوتی ہیں حالاں کہ وہ بظاہر احکام فرض وسنت کی تعریف میں نہیں
ہوتیں مگر اگر وہ پورے حقوق و لوازمات و مناسبات کے ساتھ پوری
کی جائیں بشرطیکہ ان کا مدار ایمان اور عمل صالح پر ہو تو وہ یقیناً
قابل اجر اور لائق ثواب ہیں۔ پارہ ۵ رکوع ۴ کی یہ آیت شاہد ہے

ومن یفعل ذالك ابتغاء مرضات اللہ فسوف نؤتیہ
اجراً عظیما یعنی جو خدا کی مرضی حاصل کرنے کے لئے ایسے کام کرے
تو ہم اس کو بڑا اجر دیں گے اور قرآن حکیم میں مزید اس طرف توفیق
بھی کی گئی ہے۔ "یاایھا الذین آمنو اتقو اللہ وابتغوا
الیہ الوسیلۃ وجاھدوا فی سبیلہ لعلکم
تفلحون" یعنی اے ایمان والو ڈرو اللہ سے اور ڈھونڈو اس
کی طرف وسیلہ اور اللہ کے معاملہ میں سعی کرو تاکہ تم فلاح پاسکو۔

فما ذا بعد الحق الا الضلال



قرآن کے بعد رسولؐ کا فرمان، ایک آیۃ رحمت

آیت صدر متعلقہ رہبانیت میں بنی اسرائیل کو جو انتباہ کیا گیا ہے وہ ایجادِ بدعت پر نہیں ہے۔ بلکہ حق رہبانیت کو کماحقہ ادا نہ کرنے اور ان کی رعایتوں کو ملحوظ نہ رکھنے کی وجہ سے ہے اس کی ٹھیک مثال بالکل ایسی ہے جیسا کہ حدیث صحیحین میں ہے کہ

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ تین آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کی خدمت میں اس لیئے حاضر ہوئے کہ اُن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کا حال دریافت کریں، جب ان کو آپ کی عبادت کا حال بتلایا گیا تو انہوں نے آپ کی عبادت کو مختصر خیال کر کے آپس میں کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں ہم کیا ہیں خدا نے تو ان کے اگلے پچھلے سارے گناہ معاف کر دیئے ہیں پھر ان میں سے ایک نے کہا کہ میں ہمیشہ ساری رات نمازیں پڑھا کروں گا اور دوسرے نے کہا میں ہمیشہ روزے رکھا کروں گا کبھی افطار نہ کروں گا تیسرے نے کہا میں عورتوں سے

الگ رہوں گا اور کبھی نکاح نہ کروں گا۔ پس اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا کہ یہ جو تم نے کہا ہے سو میں تم سے زیادہ خدا سے خشیت اور تم سے زیادہ تقویٰ رکھتا ہوں، روزہ بھی رکھتا ہوں افطار بھی کرتا ہوں نماز بھی پڑھتا ہوں سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں پس جو شخص میرے طریقہ سے اعراض کرے گا وہ مجھ سے نہیں ہے۔

دیکھئے! اس واقعہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُن اصحاب کو جو ریاضات و نوافل عبادات کی طرف بہ خوشی مائل ہو کر آمادۂ عمل ہیں اور سختی و مشقت کو گوارا بھی کر لینے تیار ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی رافتِ ہدایت سے اُن ریاضات میں حقوق رعایت کو ملحوظ رکھنے کا ارشاد فرماتے ہوئے مثال میں خود اپنے ہی اسوۂ حسنہ کے نور کی جھلکیاں دکھا رہے ہیں۔ اس میں یہ نہیں ہو رہا ہے کہ ان کی بتائی ہوئی عبادات و نوافل کو یک لخت منع کر دیا گیا ہے بلکہ اس میں سہولت اور آسانی کے طریقے سامنے ڈال دیئے گئے تاکہ میانہ روی اور اعتدال میں خوشنودئ خدا اور رسول حاصل رہے جیسا کہ اسی نوعیت کی ایک اور حدیث میں ہے کہ "آنحضرت صلعم کے ایک صحابی تھے جن کا نام عثمان بن منطعون تھا۔ ان کی نسبت آپ کو معلوم ہوا کہ وہ

دن رات عبادات میں مشغول رہتے ہیں۔ دن کو روزہ رکھتے اور رات کو سوتے نہیں ہیں، بیوی سے بھی کوئی تعلق نہیں رکھتے ہیں۔ آپ نے ان کو بلوا کر دریافت کیا کہ "کیوں عثمان! تم ہمارے طریقہ سے ہٹ گئے ہو" انہوں نے جواب دیا خدا کی قسم ہٹا نہیں ہوں میں آپ ہی کے طریقہ کا طلب گار ہوں"۔ ارشاد ہوا "میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں، نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں، اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں، عثمان! خدا سے ڈرو کہ تم پر تمہارے اہل و عیال کا بھی حق ہے تمہارے مہمانوں کا بھی حق ہے، اور تمہاری جان کا بھی حق ہے تو روزہ بھی رکھو افطار بھی کرو نماز بھی پڑھو اور سو بھی"۔

اس دوسری حدیث سے یہ بات بہت زیادہ واضح ہو گئی کہ عبادات میں اسلام نے اعتدال کی تعلیم دی ہے چنانچہ ترمذی شریف کی یہ حدیث بھی" ومن ابتدع بدعۃ ضلالۃ لا یرضاھا اللہ و رسولہ یعنے جس نے بدعت سیئہ کی ایجاد کی اسے اللہ و رسول پسند نہیں فرماتا۔ آیت زیر بحث اور حدیث صحیحین کے معانی پر جامع و مانع تفسیر ہے اور الحمد للہ کہ ترمذی شریف کی اس حدیث میں "بدعۃ ضلالۃ کے الفاظ خود ہی بدعتِ حسنہ کی بالمعنی تخلیق یا ایجادِ لفظی فرما رہے ہیں کہ اگر بدعتِ حسنہ نہ ہو تو بدعتِ ضلالہ کا امتیاز ہی ناممکن ہے

گویا بدعت حسنہ ایک ایسی چھپی ہوئی حقیقت ہے کہ اس کے خیر ہونے میں کوئی شبہ ہی نہیں ہو سکتا جب ہی تو اسے یہ الفاظ حدیث " سنۃ حسنۃ" کہا گیا تاکہ یہ لفظ اپنی معنویت کے حسن میں اچھوتا ہی رہے۔

(وما علینا الا البلاغ)



بدعاتِ حسنہ

من جآء بالحسنۃ فلہ عشر امثالھا

جو نیکی اور حسنہ لے کر آیا اسے دس گنا ثواب ہے (پ۸)

اب ذیل میں اُن اعمال کی فہرست دی جاتی ہے جنھیں بعض حضرات نے بدعت حسنہ و سیئہ کا امتیاز نہ ہونے کی وجہ سے۔ اچھی ایجاد کو ناجائز اور بدعت سیئہ سمجھ کر لوگوں کے لیئے مناع للخیر ہو جاتے ہیں جیساکہ قرآن میں ہے: مناع للخیر معتد مریب (۲۶/۱۶) یعنی خیر سے روکنے والے حد سے بڑھے ہوئے ہیں اور جن کی وجہ سے اکثر ذی فہم حضرات نے بہت سے اعمال مستحسن ترک کر دیئے ہیں۔ حالاں کہ بہ اعتبار کتاب و سنت ان کی اصل ثابت ہے اور جیساکہ اوپر بدعت حسنہ کے قاعدہ کلیہ کے زیر عنوان بتایا گیا ہے کہ جو نئی بات

قرآن، حدیث اور اجماع کے مغائر نہ ہو وہ بدعت حسنہ اور محمود ہے قابل تقلید اور لائق عمل ہے۔



جوازِ میلاد مبارکؐ

وہ ذات پاکؐ جس کی تشریف آوری کو اللہ تعالیٰ نے ہر ذرہ ذرہ کے لیئے رحمت سے تعبیر فرمایا ہے اور جس کی بعثتِ مبارکہ کا احسان جمیع مومنین پر تا ابد رکھا ہے اگر اس کی ولادت پرُسعادت پر خوشی نہ منائی جائے اور سالانہ اس کی محفلِ میلاد کا التزام نہ کیا جائے تو پھر کس کے لیئے خوشی منائی جا سکے گی اور جب کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ و یحییٰ علیہم السلام کے یومِ ولادت پر سلام بھیجا ہے تو کیا حضور صلعم کے یوم ولادت کی تقریب نہ منائی ہو گی یقیناً منائی ہے اور اس اہتمام سے کہ ''صلوا علیہ وسلّموا تسلیما'' کے تحائف حضور صلعم کی خدمتِ بابرکت میں ہر لمحہ پہنچ رہے ہیں اور اس کی تاکید بھی اہلِ ایمان کو کی گئی ہے کہ تم درود و سلام بھیجتے رہو دیکھیے اس میں ایک نکتہ یہ بھی ہے کہ جو رسول پر سلام و درود نہیں بھیجتا گویا وہ ایذا پہنچاتا ہے خدا اور رسول کو اس ایذا رسانی کی سزاء یہ ہے کہ دنیا و آخرت

میں اس پر خدا کی طرف سے لعنت ہی لعنت ہے گویا جو گستاخ عمداً سلام و درود کی پیش کش نہیں کرتا وہ قطعاً مستحقِ لعنت ہے اور تحائف درود و سلام پیش کرنے والوں میں خود وہ ذاتِ مقدس واعلیٰ بھی شامل ہے کہ جس کی عجوبہ کاری و نادرہ کاری نے ایک ایسی ستودہ صفت حقیقت کے ظہور سے ہم پر احسان فرمایا ہے کہ جس کے نمونہ مقدسہ پر یہ ساری کائنات اور تمام انسانیت ڈھلتی چلی جا رہی ہے۔ ہاں اس کے اظہار تعارف کے لیئے بجز "محمدؐ" کے اور کوئی لفظ زبان پر بے ساختہ ایسا نہیں آتا ہے کہ فرطِ مسرت و جذبۂ شوق و محبت میں لب خود ہی ایک دوسرے سے بغل گیر ہوئے جاتے ہوں کہ سبحان اللہ یہ نام ہی وہ ہے کہ جو اپنے تمام کمالات پر حاوی ہے۔ پس اگر اس کی یاد اور تقریبِ ولادت کا سالانہ اہتمام کیا جائے تو کیا وہ عملِ خیر نہیں ہے، یقیناً ہے اور اسی پر ہمارا ایمان بھی ہے اور خود حضور صلعم نے بھی اپنی تقریبِ ولادت کے یوم مبارک میں یعنی ہر دوشنبہ کو روزہ رکھنے کا التزام فرمایا تھا۔

چنانچہ ابو عبداللہ بن الحاج مدخل میں لکھتے ہیں :

هذا الشهر العظيم الذى فضل الله تعالىٰ وفضلنا فيه بهذا النبى الكريم الذى من الله تعالىٰ علينا فيه لسيد الاولين والآخرين كان يجب ان يزاد فيه

من العبادة والخير شكرا للمولیٰ علی ما اولا تابه من هذه النعم العظیمة وقد اشار علیه الصلوٰة السلام الی فضیلة هذا الشهر العظیم بقوله علیه السلام للسائل الذی سالہ عن صوم یوم اثنین فقال لہ علیه السلام ذالك یوم ولدت فیه هذا الیوم متضمن لتشریف هذا الشهر

لیعنی یہ مہینہ ربیع الاول مبارک کا ہے کہ اللہ نے ہم پر احسان فرمایا ہے کہ اس میں ایسا سید الاولین والآخرین پیدا کیا۔ جب یہ مہینہ آیا کرے ہمیں چاہیئے کہ بہت زیادہ نیکیاں اس مہینہ میں کیا کریں اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس مہینہ کی فضیلت کی طرف اشارہ فرمایا ہے کیوں کہ آپ پیر کے دن کا روزہ رکھا کرتے تھے، جب کسی نے پوچھا کہ آپ اس روزہ کیوں رکھتے ہیں تو فرمایا کہ میں اس روز پیدا ہوا ہوں، پس اس سے اس ماہِ مبارک کی بزرگی اور عظمت ثابت ہے۔

اہتمام میلاد پر فقہا و علماء کا اتفاق ذیل میں مجلس میلاد کے جواز کے تعلق سے مشاہیر آئمہ، فقہا، اور علماء کی تصانیف سے ضروری اقتباسات پیش کیے گئے ہیں جن میں بعض نے احتیاط شرعی کو ملحوظ رکھتے ہوئے بھی اس تقریبِ سعید کو بہر حال جائز اور بدعتِ حسنہ ہی سے تعبیر

کیا ہے۔

● امام نووی استاد ابو شامہ رح فرماتے ہیں:

ومن احسن ما ابتدع فی زماننا ما یفعل کل عام فی الیوم الموافق لیوم مولدہ صلی اللہ من الصدقات و اظہار الزینۃ والسرور الخ یعنی جشنِ میلاد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک اچھی ایجاد ہے۔

● امام ابن حجر محدث رح فرماتے ہیں:

وعمل المولد واجتماع الناس لہ کذالک ای بدعۃ حسنۃ لذا فی السیرۃ الحلبیہ یعنی جشنِ میلاد میں لوگوں کا اجتماع بدعتِ حسنہ ہے۔

● علامہ سیوطی رح فرماتے ہیں:

یستحب لنا اظہار الشکر لمولدہ علیہ السلام بالاجتماع والاطعام وغیر ذالک یعنے ہمارے لیئے مستحب ہے محفل میلاد جلسۂ عام اور اطعام طعام وغیرہ۔

● حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں کہ میں مکہ معظمہ میں بارھویں ربیع الاول کو مولد شریف میں تھا۔ حضرت کے آثار اور عجائب معاملات کا جو وقتِ ولادت ظاہر ہوئی تھیں بیان ہو رہا تھا میں اس

میں شریک ہوا اس میں جو دیکھا تو انوارِ رحمت ظاہر تھے۔

● حضرت شاہ عبدالعزیز رح کسی صاحب کے استفسار لکھتے ہیں کہ اس فقیر کے مکان پر سال بھر میں دو محفلیں ہوتی ہیں۔ محرم کے دسویں دن یا ایک دو دن پہلے قریب ہزار آدمی آتے ہیں۔ فضائل حسنین ؓ بیان کرتا ہوں بعد ختم کے پانچ آیتیں پڑھ کے جو کچھ پاس ہوتا ہے اس پر فاتحہ کر کے تقسیم کر دیا جاتا ہے اور بارہویں تاریخ ربیع الاول کے اسی قدر آدمی آتے ہیں، حال ولادت شریف و حلیہ بیان کر کے جو کچھ کھانا یا شیرینی ہوتی ہے اس پر فاتحہ دے کر تقسیم کر دی جاتی ہے۔

علامہ ابن حجر زی فرماتے ہیں:

لم یکن فی ذالک الارغام الشیطان وسرور اھل الایمان یعنی یہ محفلِ میلاد گویا تذلیل شیاطین اور سرورِ اہلِ ایمان کے لیئے ہوا کرتی ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی رح فرماتے ہیں:

دیگر در باب مولود خوانی اندراج یافتہ در نفس قرآن خواندن بہ صورت حسن و در قصائد و نعت و منقبت خواندن چہ مضائقہ است۔

(مکتوبات جلد سوم)



جوازِ قیام وسلام

مندرجہ بالا آراء کی روشنی میں یہ بات تو واضح ہو چکی ہے کہ محفل میلاد ایک امر مستحسن اور بدعتِ حسنہ ہے اب رہا یہ سوال کہ اس میں جو سلام و قیام ہوتا ہے اس کا کیا مقام ہے تو اس تعلق سے عرض ہے

آداب مجلس کے بیان میں قرآن یہ کہتا ہے کہ یا ایھا الذین اٰمنوا اذا قیل لکم تفسحوا فی المجالس فافسحوا یفسح اللّٰہ لکم واذا قیل انشزوا فانشزوا ۲۸/۲ اے ایمان والو جب تم کو کہا جائے کہ مجلسوں میں کھل کر بیٹھو تو کھل کر بیٹھا کرو اور جب کہا جائے کہ اٹھ کھڑے ہو تو اٹھ کھڑے ہوا کرو۔ پ ۲۸

لہٰذا آیت صدر کی اتباع میں یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ مجلس میں نشست و قیام کے تقاضوں کو حسبِ ضرورت پورا کیا جائے پس اگر محفل میلاد میں حضور اکرم صلعم کی خدمت بابرکت میں سلام عرض کرنے کے تعلق سے ایستادہ ہو جائیں یہ جائز ہے چنانچہ ملا علی قاری نے دست بستہ سلام عرض کرنے کو جائز لکھا ہے اس لیئے اس میں استقبالِ قبلہ نہیں بلکہ استدبار ہے اور در مختار نے بھی سلام کو جائز اور بدعتِ حسنہ قرار دیا ہے جیسا کہ اس

میں لکھا ہے کہ التسلیم بعد الاذان حادث فی ربیع الاول سنۃ سبعماتہ واحادی ثمانین وھو بدعۃ حسنہ اس کے علاوہ ذیل میں علمائے عرب و مفتیانِ مذاہب اربعہ کے فتاوی ابھی خلاصۃً پیش کیئے جاتے ہیں جیسے حضرت مولانا احمد سعید محدث دہلویؒ نے جمع فرمایا ہے تاکہ محفل میلاد مولود و قیام و سلام کے جواز پر مزید استشہاد کا تیقن ہو جائے۔



فتویٰ مالکیہ

القیام عند ذکر ولادۃ سید الاولین والاخیرن صلی اللہ علیہ وسلم استحسنہ کثیر من العلماء

(فتویٰ از مفتی مولانا حسین ابن ابراہیم مالکی)



فتویٰ حنفیہ

نعم استحسنۃ کثیرون

(فتویٰ از مفتی مولانا عبداللہ بن محمد میرغنی حنفی)



فتویٰ شافعیہ

نعم القیام عند ذکر ولادتہ صلی اللہ علیہ وسلم استحسنہ العلماء وھو حسن۔

(فتویٰ از مفتی مولانا محمد عمر بن ابی بکر الریس شافعی)



فتویٰ حنبلیہ

نعم یجب القیام عند ذکر ولادتہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم استحسنہ العلماء الاعلام وقداۃ الدین والاسلام

فتاویٰ مرقومہ کا حاصل یہ ہے کہ یہ عمل ایک مستحسن اقدام ہے اور اس میں قیام وسلام بھی جائز ہے۔

(فتویٰ از مولانا ابن یحییٰ حنبلی)

اور کیوں نہ ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفسِ نفیس اس محفل ذوق و شوق کی طرف توجہ فرماتے ہیں جیسا کہ حضرت مولانا شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے فیوض الحرمین، میں تحریر فرمایا ہے کل ذی کسبد یشتاق الی شیء ویتوجہ

الیہ ابقصد و شوقہ فانہ لیتدی الیہ وراییتہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی اس عبادت کا حاصل مضمون یہ ہے کہ حضور اکرم کا دل خوب کھلتا ہے خوشی سے اس کی طرف جو آپ پر درود وسلام بھیجتا ہے اور جب کوئی مشتاق تعشق قلبی سے ہمت لگاتا ہے اور آپ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے تو آپ اس کی طرف اُتر آتے ہیں۔ سبحان اللہ وبحمدہ والحمد للہ علیٰ ذالک۔

زلافِ حمد ونعت او است بر خاکِ ادب خفتن
سجودے می تواں کردن درودے تا تواں گفتن

صلی اللہ علیٰ نورِ کز وشد نور ہا پیدا
زمین از حُبِ اُو ساکن فلک در عشق اُو شیدا

جوازِ تعظیم آثار مبارک و تبرکات اولیاء

فتاویٰ بزازیہ کے باب المرتد میں ہے جس نے رسول خدا صلعم کے موئے شریف کی اہانت کی یا اس کو سبک جانا تو وہ کافر ہے اصل عبارت یوں ہے من صغر شعر النبی صلی اللہ علیہ وسلم استخفاناً واھانۃً فکفرٌ لاخلاف فیہ۔ علامہ قاضی عیاض رح نے شفا میں لکھا ہے کہ جتنے آثار رسول خدا صلعم کی طرف منسوب اور مشہور ہیں ان کی تعظیم اہلِ اسلام پر فرض ہے اور زیارت مستحب شرعی ہے اسی پر فتویٰ ہے علمائے حنفیہ شافعیہ ومالکیہ

اور حنبلیہ کا یعنی ان آثار شریفہ کا مشہور وجوب تعظیم کے لئے کافی ہونا ہے اور
جیسا کہ ۔ نے بدعتِ حسنہ کے قاعدہ کلیہ میں حدیث لکھی ہے ۔ پس اگر جمہور
علماء وصالحین یا معتبر مشائخ کسی آثار پر متفق ہوجائیں تو یقیناً اس کی
تعظیم از بس ضروری ہے اس لیے کہ اب اُن آثار کو حضور صلعم سے نسبت
دی جاچکی اور اس نسبت و شہرت کے بعد بھی اگر کسی کو جرات انحراف
وگستاخی ہو تو وہ سمجھ لے کہ خدا اس کے تقوٰی قلبی کا امتحان لینا چاہتا ہے
کہ ان الذین یغضون اصواتھم عند رسول اللہ اولئک الذین
امتحن اللہ قلوبھم للتقوی ۲۶/۱۳ ۔ یعنی جو لوگ اپنی آواز
کو رسول اللہ صلعم کے روبرو پست کر لیا کرتے ہیں تو یہ وہ لوگ ہیں کہ جن
کے تقوٰی قلبی کا اللہ نے امتحان لیا ہے اور پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
بھی اس کے ایمان کا جائزہ لیئے بغیر نہیں رہتے کہ " تم میں سے کوئی کمالِ ایمان
پر نہیں پہنچتا تا آں کہ میں اس کے جان و مال و اولاد سے زیادہ عزیز ہو جاؤں "

(صحیح بخاری)

انگریزی میں مقولہ ہے کہ محبت کا دیوتا اندھا ہوتا ہے لیکن مسلمان اور مومن
کی محبت دیکھی بھالی ہوتی ہے وہ سب کچھ دیکھ کر ہی محبت کرتا ہے اور پھر
سب ہی کچھ نثار کر بیٹھتا ہے ۔ بقول حضرت مرشدی پیر غوثی شاہ رح سے

مٹا پروانہ بے سمجھی سے عاشق سب سمجھ رکھ کر ٭ رہا باقی نہ کچھ جانبازی جانباز تو دیکھو

یہاں بھی امتحان ہے اِن دل والوں کا جن کے لئے اللہ نے ایمان کو زینت تزئین بخشی اور وہ کوئے محبت و شوق میں اتنے پامال ہوئے کہ محبوب کی گلی کے کتے سے خود کو نسبت تو دے دی اور پھر خود ہی اس سے بے ساختگی پر محجوب اور نادم ہو کر اس کو بے ادبی پر محمول بھی کیا۔ اور شائد محبت کا یہی تقاضا ساری فرزانگی و ہوشیاری کو دیوانگی پہ نچھاور کر کر جاتا ہے اور وہ اپنے محبوب کے اشارہ چشم و ابرو پہ ناچنے لگ جاتا ہے یہی توجیہ تھی کہ طرف بیت المقدس سے خانہ کعبہ کی طرف عین حالتِ نماز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پلٹ جاتے ہیں اور حضور کے خصوصی دیوانے یہ بھی نہیں دیکھتے کہ سمت کہاں سے کہاں بدل گئی ہے اور یہ بھی نہیں پوچھتے کہ ایسا کرنے کے لئے کون سا مسئلہ شرعی ہے اور کیا کوئی وحی نازل ہوئی ہے؟ اور جو بدبخت ان مسائل میں الجھ گئے وہ مارے گئے اتباع رسول سے پھر گئے گو رخ بیت المقدس ہی کی طرف تھا لیکن نماز ان کے منہ پر مار دی گئی جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس میں ان کا امتحان تھا۔ ہائے بدبختی کہ "دلوں کا کفر چہرے پہ کسی مسلمانی کی پھبن چھپا نہ سکی" وہ مرضئ رسول سے کیا پھرے کہ معتوبِ حق ہوئے اور جو رسول کا ساتھ ہو لیے وہ جیتے جی جنت کے مستحق ہوئے اور عشرہ مبشرہ کے لقب سے ممتاز ہوئے محبت

کی دنیا بھی عجیب ہے کہ یہاں دل و نگاہ کی آزمائش ہے ظاہری عمل کے ساتھ ساتھ نیتوں کو بھی پرکھا جاتا ہے اور خلقِ الٰہی بھی خاص ہے کہ تعظیم تو اپنے غیر کی کراتے ہیں اور نام اس کا عبادت دیتے ہیں اور تعبیر تقویٰ قلبی سے فرماتے ہیں

ومن یعظم شعائر اللہ فانہا من تقوی القلوب پ۱۷

یعنی جو خدا سے نامزد کردہ چیزوں کی تعظیم کرتا ہے تو یہی دلوں کا تقویٰ ہے۔ آثار مبارک بھی اسی تعریف میں آتے ہیں گو شعائر کی اصطلاح شرعاً اور ہے لیکن جب فیصلہ دلوں پر چھوڑ گیا تو گنجائش وسیع ہے جس پر قرآن خود بھی شاہد ہے

وتعزروہ وتوقروہ پ۲۶/۹

پس اس جواز قطعی کے بعد وہ متبعین رسول بھی اسی اختصاص میں آجاتے ہیں جو نسبتِ خاص رکھتے ہیں اور انا ومن اتبعنی پ۱۳/۶ کے زمرۂ خصوصی میں آکر ان عبادی لیس لک علیہم سلطان پ۱۴/۳ کی خلعتِ فاخرہ سے ممتاز ہوجاتے ہیں اور جب اتباع رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی جزاء میں " فاتبعونی یحببکم اللہ " کے بمصداق خدا کے محبوب ہوجاتے ہیں تو ان کے تبرکات بھی آثار کا حکم لے لیتے ہیں اسی لیے حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے کتاب التکشف میں

رسم تبرک بمستعملات المشائخ کے عنوان میں ایک حدیث دے کر لکھا ہے "جس چیز کو بزرگوں کا منھ یا ہاتھ یا بدن لگا ہو معتقدین اس کو تبرک کہتے ہیں اس حدیث سے اس کا صریح اثبات ہوتا ہے" پھر آگے جواز استعمال تبرکات مشائخ کا عنوان دے کر لکھا ہے اور یہ جو عادت ہے کہ ایسی چیزوں کا بہ کثرت استعمال نہیں کرتے اگر یہ اس غرض سے ہو کہ زیادہ روز تک یہ تبرک باقی رہے مضائقہ نہیں (حوالہ التکشف ص۳۶۶)

الحمد للہ کہ خود قرآن سے بھی پارہ ۲ سورہ بقرکے رکوع ۱۶ میں اہل حب وعقیدت کے لئے ایک اشارہ مل ہی گیا ہے:

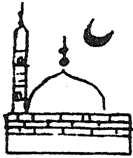
بقیة مما ترك آل موسیٰ وآل هارون تحمله الملائكة

ان فی ذالك لاية لكم ان كنتم مومنين۔ ۲/۱۶

اگرچہ کہ آیت ایک خاص واقعہ کی یاد دلا رہی ہے لیکن اپنی ہمہ گیر افادیت کی وجہ سے جواز استعمال آثار و تبرکات پر خود قرآنی لفظوں میں یہ ایک "آیت ہے" اور اذهبوا بقميصي هذا فالقوه على وجه ابي يات بصيرا (یعنی میرے کرتے کو لے جاؤ اور اسے میرے والد کے چہرہ پر ڈال دو تاکہ وہ دیکھنے لگیں۔

یہ آیت بھی جواز تبرکات پر کھلی اور واضح دلیل ہے۔

(۱۳/۴)



جوازِ خطاب "یا محمدؐ"

صحیح حدیث میں حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری موت وحیات دونوں تمہارے لیئے خیر اور بہتر ہیں کہ میرے پاس تمہارے اعمال پیش کیئے جاتے ہیں ... الخ۔ چناں چہ حضرت شاہ عبدالعزیز رحؒ اپنی تفسیرِ عزیزی میں ویکون الرسول علیکم شہیدا میں لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مطلع است بہ نور نبوت بر رتبہ ہر متدین بہ دین خود کہ درکدام درجہ از دین من رسیدہ و روایات آمدہ ہر نبی را بر اعمال اُمتیانِ خود مطلع می سازند کہ فلانے چناں می کند و فلانے چنان تا روزِ قیامت ادائی شہادت توان کرد۔

نیز علامہ قسطلانی اور زرقانی رحؒ نے بھی روایت کی ہے:

عن سعید المسیب قال لیس من یوم الا تعرض علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم اعمال امتہ غدوۃ وعشیۃ فیعرفہم بسماھم واعمالھم فلذالک یشھد علیھم یوم القیامۃ۔

حوالہ ہائے مذکورہ کا حاصل وہی مضمون حدیث ہے جو اوپر بیان کیا گیا ہے جس سے یہ ثابت ہوا کہ ہمارا ہر سلام اور ہماری ہر ندا کو اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلعم تک پہنچا دیتے ہیں جیسا کہ قرآن شاہد ہے

عالم الغیب فلا یظہر علیٰ غیبہ احدا الا من ارتضیٰ من رسول ۲۹/۱۲ یعنی اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے اور اپنی غیب کی بات کسی پر ظاہر تو نہیں کرتا مگر جو پسند کر لیا کوئی رسول (سورہ جن، ۲۹/۱۲

نیز روزانہ پانچ اوقات کی نماز کے قعدہ سے ثابت ہوتا ہے کہ مصلی عین حالتِ نماز میں "التحیات" پڑھ لینے کے بعد حضور صلعم کو "السلام علیکَ ایہا النبی" سے مخاطب کرتا ہے جو امر حاضر کا صیغہ ہے اور اس عمل سے کسی کی نماز خراب نہیں ہوتی۔

چنانچہ علامہ قسطلانی و زرقانی وغیرہ نے لکھا ہے:

منہا ان المصلی یخاطبہٗ بقولہ السلامُ علیکَ ایہا النبی والصلوۃ صحیحۃ" ولا یخاطب ولا یخاطب غیرہ

یعنی مصلیٰ "السلام علیک ایہا النبی" سے مخاطبت کرتا ہے اور نماز بھی ہو رہتی ہے ہاں دوسرے کو نماز میں مخاطب نہیں کر سکتا۔ چنانچہ فقہا متفق رائے یہی ہے کہ "السلام علیک ایہا النبی" میں ارادۂ خطاب رکھے۔ پس حالتِ نماز میں تخاطب جائز ہو تو غیر نماز میں کیوں

تخاطب جائز ہوا جیسا کہ حضور کے پردہ فرمانے کے بعد بعض صحابہ کرام رضی کا

اس پر عمل بھی رہا ہے۔ چناں چہ کتاب شفا میں قاضی عیاض نے روایت لی

ہے کہ ایک بار حضرت عبداللہ ابن عمر رضی کے پاؤں میں چونٹیاں بھر گئیں کسی

نے کہا ایسے آدمی کو یاد کرو جو تم کو بہت محبوب ہو۔ تب حضرت عبداللہ بن عمر رضی

پکار اٹھے "یا محمدؐ" اور اسی وقت پاؤں کا سُن پن دور ہوگیا۔

اور کتاب فتوح الشام میں بھی ایک واقعہ درج ہے جس کا خلاصہ

یہ ہے کہ بہ زمانۂ خلافت حضرت عمر رضی حضرت ابوعبیدہ رضی بن الجراح نے

قنسرین سے کعب بن ضمرہ صحابی کو حلب کے لیے روانہ کیا۔ کعب کا مقابلہ

یوقنا سے تھا جس کے پاس دس ہزار فوج تھی اور ادھر صرف ایک ہزار

سپاہی کا حق و باطل کی اس جنگ میں عالم اسباب کی بے سروسامانی نے

حضرت کعب کو بے چین کر دیا اور وہ تڑپ کر پکار اٹھے "یا محمدؐ یا

محمدؐ یا نصر اللہ انزل"

پس صحابہ کے ان اعمال سے ہمارے لیے جواز خطاب ثابت ہو چکا

ہے کہ ان کی اتباع میں جو بھی عمل ہو وہ قطعاً جائز ہے جیسا کہ حدیث صلعم

شاہد ہے۔ اصحابی کالنجوم فبایھم اقتدیتم اھتدیتم

یعنی میرے صحابی ستاروں کی طرح ہیں پس تم جن کی بھی اقتدا کرو گے

ہدایت پاؤ گے۔ اس کے علاوہ حضرت عمر رضی کا وہ تاریخی واقعہ کہ آپ

نے عین حالت خطبہ میں "یاساریۃ الجبل" کا نعرہ لگا کر اپنے تصرف سے ساریہ تک آواز پہنچادی تو کیا حضور صلعم کے لیئے یہ ممکن نہیں کہ وہ ہماری آواز کو پاسکیں حبب کہ آپ کی روحانیت کے ادنیٰ پرتو سے کل نظام کائنات میں حرکت وحیات جاری ہے۔

یہی وجہ ہے کہ امت محمدیہ کے بڑے بڑے انفاس قدسیہ اس دامن رحمت سے لپٹے ہوئے اسی ذات قدسی صفات کو اپنی طرف پکارتے رہے ہیں ذیل میں مشاہیر صحابہ تابعین وتبع تابعین اور آئمہ عظام وعلمائے کرام کے چند ندائیہ اشعار پیش ہیں۔ حضرت حسان بن ثابت رض فرماتے ہیں

(بحوالہ کتب احادیث)

وجوتک یا ابن امنہ لانی
محبٌ والمحب لہٗ المرضاء

المومنین حضرت صفیہ رض فرماتی ہیں:

الا یا رسول اللہ کنت وجاءنا
وکنت بنا بزولم قدجافیا

حضرامام زین العابدین رض ابن حضرت امام حسین ع فرماتے ہیں:

یارحمۃ للعالمین ادرک الذین العابدین
محبوس ایدی الظالمین فی المرکب المزوھم

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضہ اپنے قصیدہ النعمان میں فرماتے ہیں:

یا اکرم الثقلین یا کنز الوریٰ　　　جدلی بجودک وارضنی برضاک

انا الطامع بالجود منک ولم یکن　　　لابی حنیفۃ فی الانام سواک

حضرت غوث الاعظم دستگیر رضہ فرماتے ہیں: (بحوالہ فتح المبین)

یارسول اللہ اسمع قالنا

یاحبیب اللہ اُنظر حالنا

اننی فی بحر غم مغرقٌ

خذ یدی سہل لنا اشکالنا　　　(ماخوذ)

شوق و ذوق کی یہ محفل شعر و نغمہ کبھی ختم نہ ہوگی کہ اس محفل ابدی کا مسند نشین اعلیٰ خود ذاتِ باری تعالیٰ ہے اور اس انجمن حقیقت کی شمع روشن وہی محبوب ازلی ہے جو مقام وحدت بیگانۂ کثرت ہو کر کسی ظلمت خانۂ عدم کو اپنے رخسارۂ پاک سے روشن کر گیا اور اسی حقیقت پاک کی طرف ایک گدائے محبوب الٰہی یعنی شاہ سنتغر لین حضرت امیر خسرو نظامی نے اشارہ فرمایا ہے:

خدا خود میر مجلس بود اندر لامکاں خسرو

محمدؐ شمع محفل بود شب جائے کہ من بودم

اور کیوں نہ تخاطب کیا جائے کہ جو ذاتِ مقدس سارے ذرہ ہائے کائنات

کے لیئے رحمت اتم ہو تو یہ خاصۂ فطری ہے کہ ہر جز اپنے کل کی طرف رجوع کرے اور ہر پیر تو اپنے اصل کا طلب گار رہے۔ اور یہ کائنات تو خیر محتاجِ رحمت ہے لیکن خود ذاتِ رحمٰن نے بھی کبھی " یاایھا المزمل " کبھی " یاایھا المدثر " اور کبھی " یاایھا الرسول " سے حضور کو مخاطب فرمایا ہے اور یہی نہیں بلکہ لوگوں کو حضور صلعم کو مخاطب کرنے پکارنے یا اپنی طرف متوجہ کرانے کے آداب بھی سکھائے ہیں جیسا کہ قرآن میں ہے :

یاایھا الذین اٰمنوا لاتقولوا راعنا وقولوا انظرنا واسمعوا وللکٰفرین عذابٌ الیم (پ ۱) یعنی اے ایمان والو " راعنا " کہہ کر رسولؐ کو مخاطب نہ کرو بلکہ " انظرنا " کہا کرو اور اسی کی طرف کان لگائے رہو اور جو اس کا انکار کرنے والے ہوں گے ان کے لیے سخت عذاب ہے۔

غرض خطاب " یا محمدؐ " کے تعلق سے بہت سی احادیث سے اس کا جواز ثابت ہے اس کے علاوہ قرآن میں حضرت موسیٰؑ کے واقعہ میں بھی اس کا اثبات ہو جاتا ہے فاستغاثہ الذی من شیعتہ علی الذی من عدوہ اور آگے کی آیت میں ہے فاذا الذی استنصرہ بالامس یستصرخہ (۲۰/۵)

تفصیل کیلئے استعانت بالاولیاء کا عنوان دیکھیئے۔

"یا غوثؓ" کا خطاب

ابھی ابھی قاضی عیاضؒ کی ایک روایت حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کے تعلق سے بیان کی گئی جس میں یہ بتایا گیا کہ کسی نے اُن سے کہا کہ ایسے آدمی کو یاد کرو جو تم کو بہت محبوب ہو۔ یہاں اس بات کا اثبات ہو رہا ہے کہ انسان کسی نہ کسی کو عزیز و محبوب ضرور رکھتا ہے۔ چنانچہ حدیث شریف بھی اس بات کی گواہ ہے کہ من احب شیأً فاکثر ذکرہ، یعنی جو کسی کو محبوب رکھتا ہے تو وہ اُس کا تذکرہ کرتا رہتا ہے۔ پس اس حدیث سے شوق و محبت میں کسی کو پکارنا قطعاً جائز ہے اور بہ اعتبار لغت " یا " بمعنے اُدعو ہے یعنی پکارتا ہوں جس سے ظاہر ہے کہ یہ پکارنا تکمیلہ شوق و محبت کے لئے ہے یا بہ اعتبار تصور ہے جیسا کہ ایک بار بہ زمانہ خلافت حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ رات میں ایک مسجد کی طرف آئے دیکھا کہ مسجد میں کثرت سے چراغ روشن ہیں تو آپ نے حضرت عمرؓ کو مخاطب کرتے ہوئے دعا دی " نورت مساجد فانور اللہ قبرک یا ابن الخطابؓ "

(بحوالہ سیرت حلبی)

اس کے علاوہ مسئلہ فقہ بھی یہ ہے کہ موذن جب "الصلوٰۃ خیر من النوم"

کہے تو جواب میں "صدقت و بررت" کہنا چاہیے حالانکہ اذان نہ سننے
والا کبھی مسجد میں اور اکثر گھر میں ہوتا ہے اور اس طرح اس کا مخاطب
حاضر نہیں بلکہ غائب رہتا ہے غرض اس طرح کا تخاطب جب کہ نیت استمداد
استمداد استعانت اور حاجت طلبی کی نہ ہو تو قطعاً جائز ہے لیکن اہل
طریقت کے نزدیک اس مقصد سے پکارنا بھی اس لئے جائز ہے کہ سالک
کے دین و ایمان کی بقا و سلامتی ایمان تو توجہ و دعائے شیخ ہی پر قائم
ہے اور جب کہ سارے شیوخ کا مرکز و منبع بھی حضرت غوث الاعظمؓ کی
ذاتِ مبارک ہوا ہے کہ آپ نے بہ اعتبار کشف اس حقیقت کا اظہار فرمایا
کہ میرا قدم تمام اولیاء کی گردن پر ہے جس سے ثابت ہوا کہ آپ اپنے
وابستگان و غلامانِ سلسلہ کی طرف بہ اعتبار روحانیت من اللہ قوت
ہی سے فیض رساں ہیں پس اگر حضرت غوثؓ سے استفاضہ باطنی کی
غرض سے بہ جذبۂ شوق و تصور تخاطب کیا جائے تو وہ مستحسن ہے کہ
بہ اعتبارِ حدیث "انت مع من احببت" کمال تعشق و حب خود ہی
اپنے محبوب تک اس کے طالب کو پہنچا دے گا۔ چناں چہ اکثر بزرگانِ
دین جن میں بڑے بڑے علماء و فقہا گزرے ہیں وہ خود بھی کبھی
حلقہ بگوش غوثیت و اسیر دستگیر ہو چکے اور ان کے دلوں کی تڑپ
نہیں بے ساختہ "یا غوث" پکارنے پر مجبور کر گئی اور دلوں کا ایمان

دستِ غوثیت پر قبولِ اسلام کر گیا۔

مثال کے طور پر چند مشاہیر فقہاء و علماء کے منتخب اشعار پیش ہیں جن کی شخصیتیں بجائے خود ایک مرکزیت لی ہوئی تھیں اور جو خود بھی اپنے زمانے کے اقطاب میں سے تھے۔ حضرت امام یافعیؒ کا ایک شعر (بحوالہ تاریخ الاولیاء)

بحدراک یا بحرا اندی یا عبد قادر
انا یافعی ذو افتقار و ذو محل

حضرت ابو بکر المصریؒ کا ایک شعر (رسالہ قلائد الجواہر)

غوث الانام و غیثھم و مجیرھم
بدعائہ من کل خطب جائر

حضرت داؤد قدس سرہ کی ایک غزل کا ایک شعر (فتح المبین)

یا ابن النبیؐ دانت قرۃ عینہ
یا عبد مولانا العزیز القادر

حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندیؒ کا ایک شعر (فتح المبین)

اے پیر دستگیر تو دستِ مرا بگیر
دستم چناں بگیر کہ گویند دستگیر

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی غزل کا ایک شعر

خاک پاک تو بود روشنی اہلِ نظر
دیدہ را بخش ضیاء حضرت غوث الثقلین

حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز رح کا ایک شعر

غریبم نامرادم یا محی الدین جیلانی
زپا افتادہ ام دستم بگیرائے غوث صمدانی رح

حضرت مولانا جامی رح کا ایک شعر

غوثِ اعظم مددے یا شہہ جیلاں مددے
شاہِ شاہاں مددے مرشد پاکاں مددے

(ماخوذ)

حضرت غوث الاعظم رح کے لیئے یہ تخاطب کوئی ایسا مسئلہ شرعیہ نہیں کہ ہر مسلمان پر یا غوث کہنا بس لازم اور ضروری ہوگیا ہے مقصد یہ ہے کہ جو فرطِ محبت و تعشق میں کبھی پکار لے تو وہ جائز ہے جیسا کہ اوپر بحث ہو چکی ہے ۔





جوازِ زیارت قبور و فاتحہ مروجہ

امام ابو سعید سلمیؒ نے شرح برزخ میں جوازِ فاتحہ و زیارت قبور پر حسب ذیل احادیث لکھی ہیں جو نفسِ مسئلہ کو سمجھنے کے لیے بہت کافی ہیں۔

مسلم بن بریدہ رضؓ سے روایت ہے کہ حضور صلعم مسلمانوں کو سکھاتے تھے کہ جب قبروں کی طرف نکلو تو "السلام علیکم یا اهل الدیار من المومنین والمسلمین وانا ان شآء اللّٰه بکم اللاحقون نسئل اللّٰه لنا ولکم العافیة" یا یوں کہے السلام علیکم یا اهل القبور یغفر اللّٰه لنا ولکم انتم سلفنا ونحن بالاثر" اور اگر شہید ہو تو یوں کہے "السلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار" اور بوقتِ زیارت (ایک بار) سورۂ فاتحہ تین بار قل هو اللّٰه اور سورہ تبارک و یٰسین یا مکمل قرآن پڑھے۔

محدث ابو القاسم سعد بن علی الزنجانی نے فوائد میں بہ سلسلہ رواۃ ثقات ذکر کیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ حضور صلعم نے فرمایا کہ جو قبرستان میں داخل ہوا پھر اس نے سورہ فاتحہ، قل هو اللّٰه

اور الهٰکم التکاثر پڑھا پھر کہا الٰہی جو میں نے تیرے کلام سے پڑھا اس کا ثواب قبرستان کے مسلم مرد اور عورتوں کی طرف کیا یعنی اس کا ثواب مسلم مرد اور عورتوں کو پہنچایا تو وہ اس کے شفیع ہوں گے اللہ تعالیٰ کی طرف۔

, بحوالہ التصریح الاوثق ,

اور حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے جامع الخلال میں معتبر ذرائع سے روایت کی ہے کہ امام شعبی کہتے ہیں کہ صحابۂ انصار کی یہ عادت تھی کہ جب کبھی کسی انصاری صحابی کا انتقال ہوجاتا تو انصار ان کی قبر کی طرف آمد و رفت رکھتے اور ان کے لئے قرآن شریف پڑھتے۔ اس تعلق سے قاضی ابوبکر بن عبدالباقی نے رسالہ یشیخ میں فرمایا ہے کہ سلمہ بن مجید کہتے ہیں کہ حماد مکی نے کہا کہ میں نے ایک رات قبرستانِ مکہ کی طرف نکلا اور ایک قبر کے سرہانے اپنا سر رکھ کر سو گیا اہلِ مقابر کو میں نے دیکھا حلقہ حلقہ بنائے بیٹھے ہیں میں نے پوچھا کہ کیا قیامت تو قائم نہیں ہوگئی انہوں نے کہا نہیں بلکہ ایک شخص قبرستان میں آکے سورہ فاتحہ اور تین قل ہو اللہ پڑھا۔ اور اس کا ثواب ہم پر بخشا سو ہم سال بھر سے اس کی تقسیم کر رہے ہیں۔

حضرت نظام الدین احمد نے بھی کتاب کرامات الاولیاء میں حضرت بشر حافی کا ایک چشم دید واقعہ بالکل اسی قسم کا تحریر کیا ہے

رہا یہ سوال کہ نزدیک قبر قراءت قرآن جائز ہے یا نہیں تو اس کا جواب یہ

ہے کہ درمختار نے لکھا ہے کہ قاریوں کو تلاوتِ قرآن کے لیے نزدیک قبور بیٹھلانا جائز بلا کراہت ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں بھی یہی مضمون ہے چنانچہ آئمہ سلف جیسے امام عینی امام ابن الہمام، امام نووی، امام زرقانی اور مذاہب آئمہ اربعہ سب ہی کا اس کے جواز پر اتفاق ہے۔

(مزید تحقیق مطلوب ہو تو آئمہ مذکور کی کتابیں دیکھی جا سکتی ہیں)

اب اس مختصر سی توضیح کے بعد قرآنی استدلال بھی ملاحظہ ہو

ولا تصل علیٰ احد منھم مات ابداً ولا تقم علیٰ قبرہ انھم کفروا باللہ ورسولہ وماتوا وھم فاسقون (پ ۱۰ ع ۱۷)

یعنی اگر کوئی ان میں سے مر جائے تو اس پر کوئی ایصال ثواب یا نماز نہ پڑھی جائے اور نہ ان کی قبر پر قیام کرو کیوں کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کا انکار کیا اور مر گئے اور وہی فاسق ہیں۔ اس آیت سے ایصال ثواب فاتحہ اور زیارتِ قبر و قیام علی القبر کا قطعی جواز ثابت ہو رہا ہے کیوں کہ لفظ "نصل" اور "ابداً" سے وقتاً فوقتاً ایصال ثواب اور تقم علیٰ القبرہ سے زیارت قبور بعد دفن قیام علی القبر کا اثبات ہو رہا ہے البتہ قرآن نے کافر، مشرک اور منافق کے حق میں اس کا امتناع فرمایا ہے۔ اور ان کے سوا عامۃ المسلمین کے لیے جائز ہے (فاتحہ مروجہ کی ترتیب جواز زیارت کے عنوان میں دیکھیے)



بعد نمازِ جنازہ دعا پڑھنے کا جواز

کتاب تصریح الاوثق میں ہے کہ مولانا شیخ عبدالحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات، ترجمہ مشکوٰۃ کتاب الجنائز میں تحریر فرماتے ہیں کہ در جنازہ فاتحہ بعد از نماز یا پیش ازاں بقصد تبرک خوانده باشد چنانکہ آلان متعارف است۔ رسولِ خدا صلعم نے بعد نماز جنازہ کے یا آگے نماز کے فاتحہ پڑھی جیسا کہ اب رواج ہے۔ پس ان دو معنوں میں ایک معنیٰ کہ آنحضرت کا بعد نماز جنازہ کے فاتحہ پڑھنا ثابت ہوا اس پر عمل ہے علماء کا جیسا کہ الآن متعارف است اس پر دال ہے اور بعد فاتحہ کے جنازے کے سرہانے الٓمٓ مفلحون تک پڑھے اور پائیں جنازے کے امن الرسول آخر سورہ تک پڑھے اس پر عمل ہے علماء فضلا کا جیسا کہ محقق حنفیہ محدث، فتح محمد برہانپوری مفتاح الصلوٰۃ میں فرماتے ہیں

چون از نماز فارغ شوند مستحب است کہ امام یا صالح دیگر فاتحہ بقرۃ تا مفلحون طرف سر جنازہ وہ خاتمہ، بقرہ یعنی امن الرسول طرف پائین بخواند کہ در حدیث وارد است و در بعضے احادیث بعد از دفن واقع شدہ ہر وقت کہ میسر شود مجوز است۔ جب نماز جنازہ سے فارغ ہو ویں مستحب ہے کہ امام یا اور صالح الٓمٓ مفلحون تک سرہانے جنازے کے

اور امن الرسول پائین جنازے کے پڑھے جو حدیث میں وارد ہے اور بعض حدیثوں میں اس طور سے پڑھنا بعد دفن کے بھی آیا ہے دونوں وقت اس کو کرنا بہتر ہے۔ اور بعد میت کے حق میں دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کرے جیسا کہ نہر الفائق شرح کنز الافائق جلد اول باب الجنائز میں ہے:

ویقول بعد صلوٰۃ الجنازہ اللھم لا تحرمنا اجرہ ولا تفتنا بعدہٗ واغفرلنا ولہٗ

یعنی بعد نماز جنازہ دعائے مذکورہ پڑھے اور بحر ذغاز میں بھی امام عینی نے ہدایہ شرح البدایہ اللجز الثانی فی الجلد الاول باب الجنائز کے ابتداء میں بیہقی سے لکھا ہے کہ جب صحابی براء نے انتقال کیا تو حضور صلعم تشریف لائے اور نماز جنازہ پڑھی اور بعد نماز جنازہ دعا فرمائی اللھم اغفرہ وارحمہ وادخلہ جنتک حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

(بحوالہ التصریح الاوثق)



حدیث ضعیف کا وزن

بفرض محال اگر کسی حدیث کے ضعیف بھی ہونے کا احتمال ہو تو کل علمائے اہل حدیث کا اس پر اتفاق ہے کہ وان کانت ضعیفۃ الاسانید

فقد اتفق المحدثون على ان الحدیث الضعیف یجوز العمل

به فی الترغیب والترھیب (بحوالہ تفسیر روح البیان، یعنی اگر

احادیث ضعیف بھی ہوں تو سب ہی علمائے محدثین اس پر متفق ہیں کہ

حدیث ضعیف پر عمل جائز ہے جب کہ وہ اچھے کام پر رغبت اور بُرے کام

سے ڈراتی ہوں۔ علامہ شامی شارح در مختار نے لکھا ہے کہ کسی عمل کی فضیلت

حاصل کرنے کے لیے حدیث ضعیف کو لے لینا جائز ہے۔ اور ضعیف پر عمل

کرنے کی شرط یہ ہے کہ وہ عمل ایسا ہے کہ ایک عام قاعدہ شرعیہ میں داخل

ہو اس شرط لگانے میں حکمت یہ ہے کہ حدیث ضعیف کے یہ معنی تو نہیں ہیں

کہ وہ غلط ہی ہے بلکہ اس کے صحیح ہونے کا امکان ہے۔ پس اگر حدیث

نفس الامر میں عند اللہ صحیح ہے تو اس پر عمل کرنا بہت اچھا ہے اگر نفس

الامر ثابت نہ تھی اس پر عمل کرنے سے کچھ نقصان نہ ہو گا۔

لہذا کسی متعارفہ حدیث پر عمل موجب ثواب ہے کہ جب کہ حسب قاعدہ

متذکرہ اس میں کسی اچھی بات کی ترغیب اور بری بات سے ترہیب ہو

پس ان ہی اصول پر کسی عمل خیر کو جاری رکھنا بھی جائز ہی ہوا اور آئندہ

دیگر اعمال حسنہ بھی اس طرح جواز کی تعریف میں خود ہی داخل ہوں گے۔



عورتوں کیلئے جوازِ زیارتِ قبور

احادیثِ صحیحہ سے زیارت قبور کا جواز ثابت کیا ہے جیسا کہ مسلم نے ابو ہریرہ رضؓ سے روایت کی ہے کہ زیارت کرو قبروں کی کیونکہ بے شک وہ موت کو یاد دلاتی ہے۔ پس اس کے بعد یہ بحث کہ آیا عورتیں بھی زیارت قبور کر سکتی ہیں یا نہیں سو اس کا جواب یہ ہے کہ مسلم نے حضرت عائشہ رضؓ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا میں نے حضور صلعم سے پوچھا کہ میں زیارت قبور کس طرح کروں تو آپ نے فرمایا کہ تم کہو السلام علی اھل الدیار من المومنین والمسلمین ویرحم اللہ متقدمین منا والمتاخرین وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون (مشکوٰۃ۔ باب زیارت)

مولانا شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے بھی اشعۃ اللمعات ترجمہ مشکوٰۃ میں لکھا ہے کہ ایں حدیث دلالت دارد بر جواز زیارت مر نساء را یعنی اس حدیث سے عورتوں کیلئے زیارتِ قبور کا جواز ہے چنانچہ درمختار جلد اول باب الجنازہ میں لکھا ہے لاباس بزیارۃ القبور ولو للنساء۔ الخ یعنی زیارت قبر میں عورتوں کے لیئے کوئی ہرج نہیں ہے پس اس کے جواز پر مشہور کتب فقہ اور اکابر علماء و آئمہ معتبر کے اقوال سے استنباط کیا جا سکتا ہے۔



کھانے پر فاتحہ پڑھنے کا جواز

عام طور پر کسی کی موت پر بالعموم کھانا یا شیرینی وغیرہ پر فاتحہ پڑھی جا کر اس کا ایصال ثواب کیا جاتا ہے سو اس خصوص میں طبرانی نے اوسط میں سعد بن عبادہ سے روایت کی ہے کہ حضور صلعم فرمایا۔ نفعہ ولو مکبو اع شاۃ محرقۃ یعنی میت کے نام پر فاتحہ دو گو کہ جلے ہڈے ہی پر ہو اور ابن ابی الدین نے عبداللہ بن مسعود رضہ سے روایت کی ہے کہ حضور صلعم نے فرمایا طعام موجودہ پر مردوں کو فاتحہ دو اور انس رضہ سے بھی روایت ہے کہ حضور صلعم نے اپنے روبرو کھانا رکھ کے فاتحہ دی اور اس کا ثواب مردوں کو پہنچایا امام نابلسی نے حدیقۃ الندیہ میں فرمایا کہ روبرو کھانا یا میوہ یا دیگر اشیاء ماکولہ کو رکھ کے فاتحہ دینا اور اس کے بعد کھانا جائز و مستحب ہے

(بحوالہ شرح برزخ از امام ابوسعید سلمی)



جواز زیارت و چہلم برسی و عرس

ابن ابی الدنیا اور جامع الخلال نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضہ سے روایت کی ہے کہ حضور صلعم نے فرمایا: "ضرور دیں میت کیلئے (سات) روز تک اور سات روز سے چالیس روز تک فاتحہ دیویں اسلئے کہ میت کی روح ان ایام میں گھر تک آتی ہے اور فاتحہ و ایصال ثواب کی منتظر رہتی ہے (مسلم شریف)

کی کتاب الحدود میں بریدہ رض سے روایت ہے کہ جب ماعز اسلمی رض کا انتقال ہوا اس کے دوسرے یا تیسرے دن حضور صلعم تشریف لائے اور فرمایا ماعز کیلئے مغفرت مانگو ہم نے کہا ماعز کو اللہ بخشے نیز حضور صلعم کا اپنے صاحبزادہ حضرت ابراہیم ع کی وفات حسرت آیات کے تیسرے دن اشیاء موجود یعنی کھجور اور دودھ پر فاتحہ دینا اور سورۂ فاتحہ و تین قل ہو اللہ پڑھنا ثابت ہے اور کتاب مجموع الروایات میں ہے کہ حضور صلعم نے حضرت حمزہ رض کی زیارت تیسرے دن کی اور دسواں، ششماہی اور برسی بھی کی۔ اس کے علاوہ امام ابن حجر عسقلانی نے مطالب عالیہ میں بروایات ثقہ لکھا ہے کہ کہا طاوس رض نے کہ مردے اپنی قبروں میں سات دن تک آزمائے جاتے ہیں تو صحابہ کرام سات روز تک فاتحہ خوانی کرتے رہے

(بحوالہ شرح برزخ از امام ابو سعید سلمی)

حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی نے تفسیر عزیزیہ میں سورہ بقر کی تفسیر میں لکھا ہے کہ فاتحہ سوم، دہم، چہلم، سہ ماہی، و ششش ماہی، و برسی جائز و مستحسن ہے اور جس نے اس نیت سے کہ اسی روز کرنے سے ثواب پہنچتا ہے اور دوسرے دن نہ کرنے سے ثواب نہیں پہنچتا تو اس نیت سے فاتحہ کرنا مکروہ ہے ورنہ نہیں۔

رسالۂ وصیلۃ انجاۃ میں عمدۃ الفتاوی سے مرقوم ہے کہ میت کے تیسرے دن بوقت فاتحہ عود، عنبر جلانا اور اشیائے خوشبودار رکھنا فعل تابعین سے ثابت

ثابت ہے چنانچہ امام یزدوی نے بھی رسالۂ مفروق میں یہی لکھا ہے۔ اس کے علاوہ شرع میں وارثانِ میت کی تعزیت کے لئے تین روز مقرر کئے گئے ہیں۔ چنانچہ فتاوی عالمگیری میں ہے کہ اہل میت کے لئے گھر میں یا مسجد میں تین روز تک بیٹھے رہنے میں کوئی مضائقہ نہیں کیوں کہ اس میں لوگ تعزیت و تشفی کے لئے اہلِ ماتم کے پاس آتے رہیں گے۔

کتاب وقائق الاخبار میں حضرت امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور صلعم نے فرمایا جب مومن مر جاتا ہے تو اس کی روح اس کے گھر کے اطراف پھرتی رہتی ہے اور دیکھتی ہے کہ اس کا مال کس طرح تقسیم ہوتا ہے اور اس کا قرض کس طرح ادا کیا جاتا ہے اور جب مہینہ ختم ہو جاتا ہے تو روح اپنے بدن کو دیکھتی ہے کہ اور اپنی قبر کے گرد ایک سال تک پھرتی ہے کہ کون اس کے لئے دعائے مغفرت کرتا ہے اور کس کس کو اس کا غم ہے۔ اور جب سال ختم ہو چکتا ہے تو اس کی روح قیامت تک کیلئے اٹھالی جاتی ہے وہاں جہاں روحیں جمع ہیں اس حدیث کا اشارہ عامۃ المسلمین کی طرف ہے۔ انبیاءؑ اس سے قطعاً مستثنیٰ ہیں اور ان کے بعد صدیقین اور شہداء بھی چنانچہ بیہقی نے حضرت انسؓ سے روایت کی ہے کہ چالیس دن تک انبیاء کے ارواحِ مقدسہ اپنے جسد مدفون سے پیوستہ رہتی ہیں اور اس کے بعد بمواجہہ حق عبادت میں لگ جاتی ہیں یہاں تک کہ متشکل بہ جسد ہو جاتی

ہیں۔

غرض ان احادیث سے یہ ایام متفرقہ ضرورت ایصال ثواب ظاہر ہے (جیسا کہ فاتحہ و زیارت قبور کے عنوان میں وضاحت کی جا چکی ہے) اور اسی وجہ سے ان ایام متفرقہ کو زیارت، چہلم، برسی، وغیرہ کے نام سے متعارف رکھا گیا تاکہ منشائے ایصالِ ثواب نذرِ سہو و نسیان نہ ہو جائے چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیز رحؒ نے والقمر اذا اتسق کی تفسیر میں فرماتے ہیں" کہ طوائف بنی آدم تا یک سال وعلی الخصوص تا یک چلہ بعد موت دریں نوع امداد کوشش تمام می نمایند"

صیحح مسلم کی حدیث کہ ولد صالح یدعولہ اور بیہقی کی حدیث کہ ما المیت فی القبر الا کالغریق المتغوث ینتظر دعوۃ من اب او اخ او صدیق فاذالحقۃ کان احب الیہ من الدنیا وما فیہا یعنی مردہ قبر میں اس طرح رہتا ہے جیسے کوئی غرق ہو کر پکار رہا ہے اس حدیث میں اشارہ ہے کہ ماں باپ اپنی اولاد کے لیئے بھائی بھائی کے لیئے اور دوست، دوست کے لیئے دعائے خیر کرتا ہے۔ مردہ ان سب سے اپنی مغفرت کے لیئے آس لگائے رہتا ہے چنانچہ کتاب ہدایہ اور عقائد نسفی وغیرہ میں اس قسم کے ایصال ثواب کو جائز بتایا گیا ہے۔

قاضی ثناء اللہ صاحب نے بھی تذکرہ الموتیٰ میں نقل احادیث کے بعد لکھا ہے کہ" جمہور فقہا حکم کردہ اند کہ ثواب ہر عبادت بہ میت می رسد۔ یہاں

ہر عبادت سے مُراد عبادت مالی و بدنی ہے عبادت بدنی سے وہ عبادت مُراد ہے جس کا تعلق انسان کے اعضائے جوارح سے ہے اور عبادت مالی سے مراد ہر وہ انفاق ہے جو راہِ خیر میں بہ صورت زر، زیور، مویشی، طعام، اجناس اور میوہ جات خشک و تر سے ہو چنانچہ حضرت سعدؓ بن عبادہ کی والدہ کے انتقال کے بعد انہوں نے ایصال ثواب کی غرض سے دریافت کیا کہ "کون سا صدقہ بہتر ہے" تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "پانی" تب حضرت سعدؓ نے ایک کنواں کھدوایا اور کہا ھذا الام سعد یہ کنواں سعدؓ کی والدہ کا ہے اس کو اس کا ثواب پہنچے" (بحوالہ مشکوٰۃ)

ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وکان یوم الثالث من وفات ابراھیم ابن محمد صلی اللہ علیہ وسلم جاء ابوذر عند النبی بتمرۃٍ یابسۃٍ ولبنٍ فیہ خبزٌ من شعیرٍ فوضعھا عند النبی فقرء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الفاتحۃ وسورۃ الاخلاص ثلث مراۃ انی ان قال رفع یدیہ للدعاو مسح بوجہ فامر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اباذرٍ ان یقسمھا بین الناس وایضاً فیہ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھبت ثواب ھٰذہٖ لابنی ابراھیم حضور صلعم کے صاحبزادہ حضرت ابراہیم

نی وفات کے تیسرے دن حضرت ابوذر صحابی نے چند سوکھے کھجور اور دودھ

جس میں جو کی روٹی چوری ہوتی تھی حضور صلعم کے سامنے لاکر رکھ دیا حضور

صلعم نے سورۂ فاتحہ اور تین قل ہو اللہ پڑھ کر فاتحہ دی اور پھر اپنے دونوں

دستِ مبارک چہرۂ مبارک پر پھیر لیئے پھر حکم کیا کہ ابوذر اس کو لوگوں میں

تقسیم کر ڈالو اور ایک روایت میں ہے کہ حضور صلعم نے فرمایا کہ میں نے اس

کا ثواب اپنے بیٹے ابراہیم کو بخشا۔

والحمد للہ کہ خط کشیدہ الفاظ سے نہ صرف جواز زیارت بلکہ طریقۂ فاتحہ

مروجہ کا بھی جواز نکل آیا۔)

جوازِ عُرس

یہ تقریب بھی کسی میت کے سالانہ فاتحہ کی طرح ہوتی ہے اس میں

کسی مردِ صالح، کسی بزرگ اور شیخ کی قبر پہ بغرض ایصال ثواب معتقدین

مریدین و وابستگان کا سالانہ اجتماع ہوتا ہے جس کا مقصد اجتماعی

طور پہ صاحبِ مزار کے لیئے مغفرت طلبی ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ

ان مجالسِ خیر میں حلقہ ذکر و مواعظ بھی منعقد کی جاتی ہیں تاکہ تضیع اوقات

کی بجائے صحبتِ صالحین کی وجہ سے ازدیاد ایمان تجدیدِ دین کی گرم بازاری

رہے اور اس موقع پر ایصال ثواب کے طور پر اطعام طعام وغیرہ بھی کیا جاتا ہے

غرض اس طرح کا اجتماع بھی حضور صلعم سے ثابت ہے کہ دُرِ منثور اور تفسیر کبیر میں ہے کہ حضور صلعم شہداء اُحد کی قبروں پر ہر سال کے آغاز پر تشریف لے جاتے تھے اور فرماتے تھے سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار ۔ اور اس طرح آپ کے بعد بھی خلفائے اربعہ کا یہی طریقہ عمل رہا۔

حضرت شاہ عبدالعزیز رح بھی اپنے والد ماجد کا ہر سال عرس منایا کرتے تھے جس پر کسی مولوی صاحب نے اُن کے اس عمل پر اعتراضاً استفسار کیا تو آپ نے جواب میں لکھا کہ ایں طعن مبنی است بر جہل مطعون علیہ زیرا کہ غیر از فرائض شرعیہ مقررہ را ہیچکس فرض نمیداند آرے ۔ زیارت و تبرک بقبور صالحین و امداد وایشاں بامداد ثواب و تلاوتِ قرآن و دعائے خیر و تقسیم طعام و شیرینی امر مستحسن و خوب است باجماع علماء تعیین روز عرس برائے آن ست کہ آں روز انتقال ایشاں می باشد از دار العمل بہ دار ثواب یعنی یہ ایک امر مستحسن ہے کہ اس میں ایصال ثواب فاتحہ کھانا کھلانا مٹھائی تقسیم کرنا سب ہی بہ اتفاق علماء خوب ہے اور عرس کا تعین بھی اسی لئے کہ اس میں دار العمل سے دار الثواب کی طرف اس کی منتقلی عمل میں آتی ہے ۔ اس رسم کے جواز میں حضرت مولانا شاہ رفیع الدین محدث دہلوی کا بھی فتویٰ ملاحظہ ہو :

"کوئی چیز عبادت کے خیال سے بغیر مقرر کرنے کسی شخص کے جس کو دی جائے اس لئے رکھ دیویں کہ جو محتاج چاہے لے جاوے یہ بھی مباح کے قبیل سے ہے جیسا سبیل میں پانی کو اور بزرگوں کے عرسوں میں کھانے کو محتاجوں کے لئے مباح کر دیتے ہیں اور اس کا ثواب کسی کو پہنچا دیتے ہیں۔"

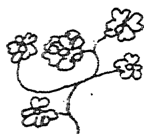
(بحوالہ اردو ترجمہ فتاویٰ حضرت شاہ رفیع الدین محدث دہلوی مطبوعہ عصر جدید پریس بنگلور)

نیز اسی رسالہ کے صفحہ ۹ پر اطعام طعام کے سلسلے میں لکھتے ہیں:

موتیٰ کیلئے صدقہ دینا حدیث میں بہت جگہ وارد ہوا ہے۔ ان سب میں سے ایک حضرت سعد ابن عبادہ رضی اللہ عنہ کا کنواں بنوانا اور اپنی ماں کے ثواب کیلئے وقف کرنا اور یہ کہنا کہ یہ سعد کی ماں کے لئے ہے۔ اور بعد پھر تابعین کرام سے خبریں ہیں کان السلف یحبون الاطعام عن المیت اربعین یوماً اگلے بزرگوار میت کی طرف سے کھانا کھلانے کو چالیس دن تک بہت دوست رکھتے تھے اور اس کے شواہد بہت ہیں (حوالہ مذکور)

احادیث اور اقوال آئمہ عظام و علمائے کرام کے ساتھ ساتھ قرآن کی آیت پاک یطعمون الطعام علیٰ حبہ یعنی وہ لوگ خدا کی محبت میں یتیموں مسکینوں اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے رہتے ہیں، سے بھی اطعام طعام کا بطور دعوت عام جواز ثابت ہو رہا ہے۔

پس اسی مناسبت سے عرس و فاتحہ سالانہ ۔ بیگیارہویں، چھٹی، دسویں محرم کی تقاریب بھی جوازمیں آتی ہیں لیکن اس میں کھانے کی خصوصی قسموں کا پکوان ضروری نہ سمجھا جائے ۔ اور نہ ہی ان تقاریب کو جزو دین سمجھا جائے کہ اگر نہ کریں تو گنہگار ہوجائیں گے یا کچھ نقصان ہوجائے گا یا خواجہ صاحب یا غوث الاعظم ناراض ہوجائیں گے اس قسم کے تصورات قطعاً ناجائز ہیں اور ان تصورات سے کسی قسم کی تقریب کا کرنا بھی ناجائز ہے ۔



جوازِ چادرِ گل و روشنی

قبروں اور مزاروں پر جو بالعموم چادرِ گل چڑھائی جاتی ہے تو اس کے جواز پر ذیل کی احادیث سے استناد کیا جاسکتا ہے ۔ صحیحین میں ہے کہ حضور صلعم نے ایک ہری ڈالی کو لے کر اُسے چیرا اور دو کر کے الگ الگ قبر پہ لگوائے ابن ابی الدنیا اور جامع الخلال نے حضرت عبداللہ بن مسعود رض سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ حضور صلعم نے فرمایا کہ جس نے کسی مسلمان کی قبر پہ پھول ڈالے تو اللہ تعالیٰ اس کی تسبیح سے میت کو بخشتا ہے اور ڈالنے والے کے لئے بھی نیکی لکھتا ہے ۔

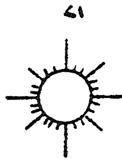
فتاوی عالمگیری کی پانچویں کتاب الحضر والا باحۃ میں ہے

"وضع الورد والریاحین علی القبور حسن" یعنی قبروں پہ پھول اور

سبزہ ڈالنا مستحب ہے۔ کنز العباد میں کفایۃ الشعبی سے منقول ہے وضع الورد والریاحین حسن" لانہا مادامت رطبۃ" تسبح ومیونس للمیت بتسبیحہ الانس یعنی قبروں پر پھول اور سبزہ ڈالنا مستحب ہے کیوں کہ وہ جب تک تازہ رہیں گے اس کی تسبیح سے میت کو اُنس حاصل ہوتا ہے غرض پھول اور سبزہ کا قبروں پر چڑھانا جائز اور مستحب ہے اور جب اصلاً پھول ڈالنا جائز ہوگیا تو پھولوں کی چادر چڑھانا بھی جائز ہی ہوا۔ ویسے بظاہر اس میں تاگا ہی موجبِ اعتراض ہے حالاں کہ تاگے کا استعمال پھولوں کے اجتماع اور تنظیم کے لیئے ہے جیسا کہ تسبیح کے دانوں کو ایک ہی تاگے میں پرو لیا جاتا ہے اور فقہاء کرام کے نزدیک تسبیح کے دانوں کو ایک تاگے میں پرونے پر کوئی اعتراض بھی نہیں ہے۔

مولانا شاہ احمد سعید صاحب مہاجر نے جو یہ ایک واسطہ حضرت شاہ عبدالعزیز رح کے شاگرد ہیں کتاب تحقیق الحق المبین میں لکھا ہے کہ قبر پر پھول ڈالنا سنت ہے جیسا کہ کتاب طوالع الانوار میں ہے پس چادر گل بھی جنازے پر ڈالنا سنت ہے۔

(بحوالہ تصریح الاوثق)



روشنی بر قبور

اگرچہ کہ بہ اعتبار حدیث شریف یہ واضح ہوتا ہے کہ عام طور پر قبروں
کے پاس چراغ روشن نہ کئے جائیں کہ یہ ایک اسراف اور فضول خرچی ہے
لیکن بعض استثنائی صورتوں میں علماء فقہائے کرام نے اس کا جواز بتایا
ہے چنانچہ مولانا محمد طاہر حنفی القادری محدث نے مجمع البحار الانوار کی جلد سوم میں
اس عنوان کے تحت لکھا ہے کہ قبروں پر روشنی کا امتناع اس لئے ہے کہ اس میں
بلا وجہ کا اسراف اور فضول خرچی ہے۔ اور اگر وہاں مسجد ہو یا اس کے علاوہ
تلاوت و ذکر قریب ہی کرنا مقصود ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے چنانچہ مولانا
شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے بھی اشعۃ اللمعات میں تحت حدیث مذکورہ لکھا ہے۔

"اگر آنجا رہگذر مردم باشد یا در سایہ چراغ کارے میکردہ باشند جائز است"
یعنی اگر قبر کے پاس لوگ آتے جاتے ہوں یا کچھ کام (از قسم تلاوت و ذکر) کرتے
ہوں تو قبر پہ چراغ روشن کرنا جائز ہے۔

امام عبدالغنی النابلسی نے حدیقۃ الندیہ میں تحریر فرمایا ہے کہ "قبر کے
نزدیک چراغ جلانا یا لے جانا بدعت اور اسراف ہے جیسا کہ بزازیہ میں ہے، اس
صورت میں یہ بے فائدہ ہے لیکن جب موضع قبور میں مسجد ہو یا راستے میں اور

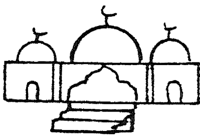
قبور ہوں یا کوئی اس مقام پر بیٹھا ہو یا کسی ولی یا عالم کی وہاں مزار ہو تب چراغ جلانا پایا جاتا بدعت یا اسراف مال اور ممنوعِ شرعی نہیں ہے بلکہ اطلاعِ عام کے لئے یہ مقام متبرک اور استجابتِ دعا کے لئے خاص ہے۔ اس قبر پر چراغ روشن کرنا ممنوع نہیں ہے کہ اعمال کا مدار نیت ہی پر ہے۔

تفسیر روح البیان میں تحت آیت "انما یعمر مساجد اللّٰہ" لکھا ہے کہ مزاراتِ اولیاء صلحاء کے نزدیک چراغوں اور فانوسوں کا جلانا ان اولیاء کی تعظیم کے واسطے ہے تو یہ جائز ہے۔

امام ابو سعید سلمی نے قبر پر چراغ و خوشبوؤں کے جلانے کے جواز میں

علامہ حامد سندی کی بہت ہی معتبر و مشہور کتاب "سراج المومنین" سے اقتباس پیش کیا ہے کہ مشائخین کرام کی قبروں پر عود جلانا جائز اور مستحسن شرعی ہے ہرگز مکروہ نہیں ہے بلکہ حسنات کثیرہ کا سبب ہے بشرطیکہ نیت محبت اور تعظیم لوجہ اللّٰہ ہو اور اسی نیت سے ان کی مزاروں پر چراغ روشن کرنا بھی جائز اور مستحسن شرعی ہے بلکہ اجر کا باعث بھی۔

حوالہائے مذکور سے یہ بات ثابت ہوئی کہ مشاہیر و مستند بزرگانِ دین علمائے کرام کی مزارات پر روشنی یا خوشبوئی جلانا لوجہِ اللّٰہ تعظیم و محبت کی خاطر اور مفادِ عامہ کے پیشِ نظر جائز و مستحسن ہے۔



ازِ تعمیر گنبد و خانقاہ

ہ، فقہا، علماء مشائخین کرام نہ صرف اپنی حین حیات بلکہ
لنے کے بعد بھی مرجعِ خلایق ہی رہے ہیں اور ان کا فیض باطنی
ہے چنانچہ اوپر کے بیان میں استغاثۂ باطنی کے جواز پر استشہاد
ہے نیز استعانت بالاولیاء کے زیرِ عنوان اثبات جواز پر مضمون
کا ہے۔

تو یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے مقبول بندوں کو مرکز رشد و
ہے اور ان کی محبت اہلِ ایمان کے دلوں میں ڈال دی جس طرح
ہے کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اسی طرح یہ مقناطیس حق بھی
اپنی طرف کھینچتے رہتے ہیں اور لوگ اسی کشش کی وجہ سے زیارت
یلہ سے کشاں کشاں چلے جاتے ہیں اور اس طرح جب ایک ہجوم
رگاہ کی مزارات پر ہو جاتا ہے تو ان کے قریب مزار بغرض ایصال
رہنے یا تلاوت و ذکر کی غرض سے بیٹھنے کے لئے قریب یہ ایک
یکھ کر اطراف سے چار دیواری اٹھا دی جاتی ہے اور اس پر چھت
کر دی جاتی ہے اور اس تعمیر کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ بہ مناسبت

عمارت اگر چھت یا گنبد اونچی ہو تو ہر موسم میں زائرین کو اس کا استفادہ ہوتا ہے کہ گنبد کے اندر گرمیوں میں ٹھنڈک اور بقیہ موسم میں گرمی رہتی ہے جس کی وجہ سے وہ کافی دیر تک مشاغل ذکر و فکر میں لگے رہتے ہیں اور اسی منشاء و مقصد سے کسی بزرگ کی مزار پر تعمیر گنبد کی جائے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے نیز اونچی گنبد کی تعمیر سے کسی مزار کا پتہ جلد چل جاتا ہے گویا گنبد زائرین کے لیئے دور ہی سے ان کی رہبری کے لیئے ہر طرف سے آگے ہوتی ہے چنانچہ ان ہی وجوہ کی بناء پر آئمہ فقہا و علمائے کرام نے احادیث سے بالاتفاق اس کے جواز میں مسائل کا استخراج کیا ہے۔

محدث ابو محمد سمرقندی سے روایت ہے کہ حضور صلعم نے فرمایا کہ قبر پر گیارہ قل پڑھیں اور اونٹ کے کوہان کی مانند قبر کو اونچا کیا جائے۔
امام ابو محمد سلمی نے کتاب مصباح الانام کے حوالے سے لکھا ہے کہ "علمائے متاخرین کے پاس قبر پر گچ کرنا بلا کراہت جائز ہے اور اسی پر فتویٰ ہے اور یہی بلادِ اسلامیہ میں رائج ہے ایسا ہی علماء و صلحاء کی قبروں پر قبہ بنانا بلا کراہت جائز ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔
علامہ محمد طاہر حنفی القادری نے مجمع بحار الانوار کی جلد سوم میں تحریر کیا ہے "وقد اباح سلف ان یبنی اعلیٰ قبور المشائخ والعلماء المشاہیر لیزورھم الناس ویستریحون بالجلوس فیہ" یعنی

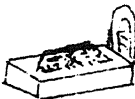
اولیاء علماء صلحا کی قبروں پر قبہ بنانے کو سلف صالحین نے جائز اور مباح کہا ہے تاکہ لوگ اُن قبور کی زیارت کریں اور وہاں بیٹھ کر راحت پائیں۔

مُلّا علی قاری نے بھی قریب قریب یہی مضمون مرقات شرح مشکوٰۃ میں لکھا مفاتیح شرح المصابیح میں بھی یہی لکھوا ہے:

"اما المتاخرون فقد استحسنوا تحصیص القبور" یعنے علمائے متاخرین قبر کے پختہ بنانے کو مستحسن سمجھتے ہیں۔

مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے بستان المحدثین میں امام شمس الدین محمد کرمانی کے حالات میں لکھا ہے "کہ انہوں نے اپنی زندگی ہی میں ابواسحاق شیرازی کی قبر کے متصل ہی اپنی قبر اور لنگر خانہ کی تعمیر کرائی تھی اور قبر پر گنبد بھی تیار کرائی تھی"۔ اسی واقعہ سے تعمیر گنبد کے جواز کے ساتھ ساتھ زندگی میں ہی تعمیر گنبد و قبر کا جواز بھی ثابت ہو رہا ہے اس لئے یہ عمل ایسے ائمہ کا ہے جن کا علم قرآن و حدیث بہت ہی مستند اور لایق استفادۂ عام ہے گویا ان کا فعل بجائے خود مستحب ہے اور اس پر مستزاد یہ کہ مولانا شاہ عبدالعزیز رح کی جیسی شخصیت کا اس امر واقعہ کے اظہار پر سکوت بھی تائید مزید کا حکم رکھتا ہے علاوہ ازیں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رح نے بھی بناء خانقاہ کے تعلق سے التکشف کے صفحہ ۳۲۹ پر ایک حدیث تحریر فرمائی جس کا ترجمہ "حضرت ابو ہریرہ رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نہیں مجتمع ہوا کوئی مجمع کسی گھر میں اللہ کے گھروں میں سے کہ کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہوں اور باہم اس کو پڑھتے پڑھاتے ہوں اور تازہ ہوتی ہے ان پر کیفیت تسکین قلبی کی اور ڈھانپ لیتی ہے ان کو رحمت اور گھیر لیتے ہیں ان کو ملائکہ اور ذکر فرماتے ہیں ان کا اللہ تعالےٰ ان (ارواح و ملائکہ) میں جو کہ اللہ کے پاس ہیں روایت کیا اس کو ابو داؤد نے اس حدیث کے بعد "رسم بناء خانقاہ" کے زیر عنوان حضرت ممدوح نے تحریر فرمایا ہے کہ "صحابہ و تابعین بوجہ قوت قلب و قرب عہد فیض جہد تحصیل ملکۂ ذکر میں محتاج خلوت مکانی کے نہ تھے بعد میں تفاوت احوال و طبائع کے سبب عادت اس ملکہ کی تحصیل کی موقوف ہو گئی۔ خلوتِ مکانی و بعد عن عامۃ الخلق پر اس وقت حضرات مشائخ میں خانقاہیں بنانے کی رسم بہ مصلحت محمودہ ظاہر ہوئی ہر چند کہ اس حدیث میں بناء "اعلیٰ المشہور بیوت اللہ کی تفسیر مساجد کے ساتھ کی گئی لیکن اطلاق لغتہ اور اشتراکِ علت کی بناء پر خانقاہوں کو بھی اس کے عموم میں داخل کرنا مستبعد نہیں۔"



جواز تنصیب لوح بر مزار

یہ مسلم ہے کہ اعمال کا مدار نیتوں پر ہے اور جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے اگر غرض مفاد عامہ ہو تو تعمیرِ گنبد میں کوئی ہرج نہیں ہے بالکل اسی طرح کسی

کسی مزار پر نصیب لوح یعنی سرہانے کسی پتھر کا کھڑا کر دینا اس مقصد سے کہ نشانِ قبر نمایاں رہے جائز ہے۔ حدیث شاہد ہے کہ جب عثمان بن مظعون صحابی کا انتقال ہوا تو ان کے دفن کے بعد حضور صلعم نے خود اپنے دستِ مبارک سے ان کے مدفن پر ایک پتھر کھڑا کیا۔

اس حدیث کی تصریح میں صاحبِ شرح البرزخ امام ابو محمد سلمیؒ نے لکھا ہے کہ قبر پر متصل ایک پتھر کھڑا کر کے تاریخ وفات اور متوفی کا نام لکھنا جائز ہے۔ در مختار میں بھی یہی لکھا ہے کہ" اس غرض سے کہ قبر کا نشان جاتا نہ رہے قبر پر لکھنے میں مضائقہ نہیں ہے۔



جواز استعانت بالاولیاء

بیہقی نے سنن کبریٰ اور طبرانی نے معجم اوسط میں ابو سعد خدریؓ سے روایت کی ہے کہ فرمایا حضور صلعم نے کہ تم اپنی حاجتوں کو میری امت کے اصحاب رحمت سے یعنی جن کے دل نرم ہیں خوفِ الٰہی سے ان سے استمداد کرو پس اگر تم نے ایسا کیا تو تمہارے مقاصد حاصل ہوں گے اور تم اپنے حصولِ مطلب میں کامیاب رہو گے کیوں کہ اللہ تعالےٰ نے ....

حدیث قدسی

میں فرمایا ہے کہ میری رحمت میرے خاص بندوں میں دائر ہے جو اصحابِ رحمت

ہیں اور اس معاملہ میں تمہیں زیادہ تسکین حاصل ہوگی۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ جب تمہیں کسی کام میں ضرورت ہو تو اہلِ قبور سے استعانت کرو۔ (بہ توثیق ملا علی قاری فی شرح عین العلم)

علامہ ابن حجر مکی نے کتاب خیرات الحسان میں لکھا ہے کہ ہزار ہا اولیاء، علماء، صلحا قدوۃ المجتہدین حضرت ابو حنیفہ النعمان رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک سے توسل اور ان سے استعانت کرکے فائز المرام ہوتے ہیں حضرت امام شافعی نے بھی فرمایا کہ امام اعظم ابو حنیفہ کی قبر مبارک تریاق مجرب ہے مجھے جب بھی ضرورت ہوتی ہے ان کے قبر کے پاس جاتا ہوں اور قبر کے متصل دوگانۂ استخارہ گزار کے ان سے استمداد و استعانت کرتا ہوں میرے سب حاجات پورے ہوجاتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ قاضی یحییٰ حلبی نے قلائد الجواہر، مولانا جامی رح نے نفحات الانس اور مولانا شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے تکمیل الایمان میں لکھا ہے کہ

اولیاء کرام و انبیائے عظام سے امور دینی و دنیوی میں استمداد و استعانت شرعاً جائز ہے۔

امام ابو سعید سلمی حنفی نے شرح برزخ میں لکھا ہے کہ وسیلہ مانگنا اولیاء، انبیاء، شہداء اور صالحین سے جائز ہے اور یہ ثابت ہے قرآن، حدیث، اجماع اور اقوالِ علماء عرفا سے۔

ابن ماجہ قزدینی باب صلوٰۃ الحاجت میں روایت کرتے ہیں عثمان بن حنیف انصاری صحابی رضؓ سے کہ ایک اندھا آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا کہ میری آنکھوں کے لئے دعا کیجئے۔ آپ نے فرمایا اگر تو چاہے اسی طرح رہنے دے یہ تجھ کو اچھا ہے اور اگر چاہے دعا کرانا تو دعا کروں۔ اس نے کہا دعا فرمایئے۔ آپ نے فرمایا اچھی طرح وضو کرکے دو رکعت نماز پڑھو اور پھر یہ پڑھو:

اللھم انی اسئلک واتوجہ الیک بنبیک محمد نبی الرحمۃ یا محمد انی اتوجہ بک الی ربی فی حاجتی ھذا لیقضی لی اللھم فشفعہ فی حاجتی لیتقضی لی یعنے اے اللہ میں تجھ سے مانگتا ہوں اور متوجہ ہوں تیری طرف نبی رحمت محمدؐ کے واسطے سے یا محمدؐ میں بے شک متوجہ ہوں آپ کے واسطے سے اپنے رب کی طرف اس حاجت میں تاکہ میری حاجت روائی ہو جائے اے اللہ میری حاجت کے معاملہ میں ان کی سفارش قبول فرمایئے تاکہ میرا مقصد برآجا۔

طبرانی نے معجم کبیر میں روایت کی ہے کہ ایک شخص کو حضرت عثمان رضؓ بن عفان سے کوئی ضرورت وابستہ تھی وہ بارہا جاتا لیکن حضرت عثمان رضؓ اس کی طرف ملتفت نہ ہوتے اس شخص نے عثمان بن حنیف انصاری صحابی سے شکایت کی عثمان بن حنیف نے کہا کہ وضو کرکے مسجد میں آؤ اور دو رکعت

پڑھ کر پھر دعا کرو" اللھم انی اسئلک واتوجہ الیک.....الخ
اور اس کے بعد اپنی حاجت اللہ تعالیٰ کے سامنے عرض کر دو۔ اس شخص نے عثمان بن حنیف کے بتائے ہوئے طریقہ پر وضو نماز کے بعد جس طرح دعا بتائی گئی تھی ۔ پڑھی اور اس کے بعد حضرت عثمان رضؓ بن عفان کے پاس حاضر ہوا حضرت عثمان رضؓ نے اسے اپنے قریب بٹھایا اور اس کی حاجت دریافت فرمائی اور کہا کہ جب کبھی تمہیں ضرورت درپیش ہو مجھ سے بیان کر دینا وہ شخص ہشاش بشاش حضرت عثمان رضؓ کے پاس سے سیدھے عثمان بن حنیف کے پاس آیا تاکہ ان کا شکریہ ادا کر دے اس نے کہا "جزاک اللہ" شاید تم نے میری سفارش عثمان رضؓ سے کر دی تھی ورنہ حضرت عثمان رضؓ کبھی میری طرف توجہ نہ کرتے عثمان بن حنیف نے جواب دیا کہ بخدا میں نے حضرت عثمان رضؓ سے کچھ نہیں کہا۔ اصل بات یہ ہے کہ ایک بار رسول اللہؐ صلعم کے پاس حاضر تھا ایک اندھا آیا اس نے فریاد کی یا رسول اللہ میری آنکھ جاتی رہی آپ نے فرمایا صبر کرو، بولا کوئی میرا ہاتھ یا لاٹھی پکڑ کر لے جانے والا نہیں مجھ پر بڑی مصیبت ہے تب حضور صلعم نے یہ نماز اور یہ دعا ارشاد فرمائی تھی: اللھم انی اسئلک.....الخ

امام جزری نے کتاب حصن حصین میں لکھا ہے کہ جس کسی کو ضرورت درپیش ہو نماز حاجت پڑھ کر یہ دعا پڑھے: اللھم انی اسئلک...الخ

چنانچہ کتبِ فقہ حنفیہ میں بھی یہ دعا پڑھنے کی اجازت دی گئی ہے۔



جوازِ استعانت اور قرآنی استدلال

پارہ (۵) نساء کے رکوع (۶) میں ارشاد ہے:

ولوانہم اذظلموا انفسہم جاؤک فاستغفروا اللہ واستغفرلہم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما ۵/۶

یعنی جب انہوں نے اپنے آپ پر ظلم کیا تھا تو تمہارے پاس آتے اور خدا سے معافی مانگتے اور رسول ان کی معافی چاہتے تو دیکھ لیتے کہ اللہ ان کی توبہ کو بڑی ہی مہربانی سے قبول فرمالیتا۔

اسناد مندرجۂ صدر کے بعد یہ بات اب حدِ ایقان کو پہنچ گئی کہ ضرورت و حاجت میں نہ صرف نبی صلعم سے بلکہ کسی محبوب خدا اور ولی برحق سے بھی اس کے پردہ کر جانے کے بعد یا اس کے حین حیات استعانت و استمداد کی جا سکتی ہے چنانچہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رح کی کتاب التکشف میں بعنوان توسل لکھا ہے حضرت عمر رض کا معمول تھا کہ جب قحط ہوتا تو حضرت عباس رض کے توسل سے دعائے باراں کرتے اور کہتے کہ اے اللہ ہم اپنے پیغمبر کے ذریعے سے آپ کے حضور میں توسل کیا کرتے تھے اب

ہم کو بارش عنایت کرتے تھے اور اب اپنے نبی ؐ کے چچا کے ذریعہ سے آپ کے حضور میں توسل کرتے ہیں سو ہم کو بارش عنایت کیجیے سو بارش ہو جاتی تھی روایت کیا اس کو بخاری نے مشکوٰۃ ص۱۲ ف مثل حدیث بالا یعنی اوپر بھی ایک حدیث بیان کی گئی ہے، اس سے بھی توسل کا جواز ثابت ہے اور نبی صلعم کے ساتھ جواز توسل ظاہر تھا۔ حضرت عمر رضہ کو اس قول سے یہ تبلانا تھا کہ غیر انبیاء سے بھی توسل جائز ہے تو اس سے بعض کا سمجھنا کہ احیاء و اموات کا حکم متفاوت ہے بلا دلیل ہے اول تو آپ صلعم بہ نص حدیث قبر میں زندہ ہیں دوسرے جو علت جواز کی ہے جب وہ مشترک ہے تو حکم کیوں مشترک نہ ہوگا۔

اس کے بعد ایک اور حدیث درج کی گئی ہے اور لکھا ہے کہ "اس سے بھی توسل کا جواز ثابت ہے بلکہ اس میں مطلق اسلام ہی توسل کے لیے کافی معلوم ہوتا ہے" لیجیے اب تو استعانت بالاولیاء سے گذر کر استعانت با مسلم ہی کا جواز ثابت ہو چکا گویا صرف مسلمان یعنی مسلم صالح ہونا ہی استعانت استمداد کے لیے بہت کافی دوائی ہے۔ لیکن یہ خیال ضرور ملحوظ رہے کہ کسی بزرگ یا صاحب مزار ہی کی ذات سے راست امداد یا ان سے حاجت طلب کی جائے قطعاً صحیح نہیں ہے۔



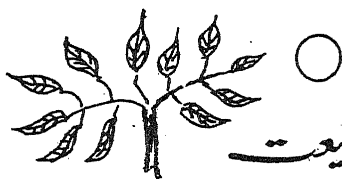
جوازِ استفاضۂ باطنی از اہلِ قبور

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے کتاب التکشف میں بعنوان کشف القبور اور فیض باطنی از اہل قبور ایک حدیث تحریر فرما کر ترجمہ لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کسی صحابی نے اپنا خیمہ ایک قبر پر لگا لیا اور ان کو معلوم نہ تھا کہ یہ قبر ہے سو اس میں ایک آدمی معلوم ہوا "جو تبارک الذی بیدہ الملک" پڑھ رہا ہے یہاں تک کہ اس کو ختم کیا وہ صحابی رسول اللہ صلعم کے پاس آئے اور اس واقعہ کی آپ کو خبر دی رسول اللہ نے فرمایا کہ یہ سورت حفاظت کرنے والی ہے یہ سورت نجات دینے والی ہے یعنی مردہ کو عذاب الٰہی سے جو کہ قبر میں ہوگا، نجات دیتی ہے۔ روایت کیا اس کو ترمذی مشکوٰۃ ص ۱۸۴۔ اس ترجمہ کے بعد کشف القبور کے عنوان پر دو سطریں تحریر فرما کر "فیض باطنی از اہل قبور" کے تعلق سے لکھا ہے کہ "اس میں کوئی شبہ نہیں کہ قرآن مجید سننا موجب نفع باطنی ہے اور یہ نفع ان صحابی کو بواسطۂ صاحبِ قبر کے پہنچا اس سے اہل قبور کے فیوض کا اثبات ہوتا ہے"

(التکشف ص ۴۴۳)

ابن ابی الدنیا نے کتاب القبور میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اثبات جواز

استفاضۂ باطنی اہلِ قبور پر اور امام ابو سعید سلمی نے بھی شرح برزخ میں حسب ذیل حوالہ دیا ہے جو بہت کافی ہے جب کوئی آدمی اپنے بھائی کی قبر پہ جاتا ہے تو وہ اس کو پہچان لیتا ہے اور اگر زائر نے اس پر سلام بھیجا تو وہ بھی جواب سلام دیتا ہے گویا وہ بھی دعائے خیر ہی ہے پس زندوں کا مردوں سے مدد مانگنا جائز ہے۔ (بحوالہ شرح برزخ)



جوازِ بیعت

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رح نے کتاب التکشف میں بیعت طریقت کے زیر عنوان حدیث اور اس کا ترجمہ لکھا ہے کہ حضرت عوف بن مالک اشجعی سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے نو آدمی تھے یا آٹھ یا سات آپ ؐ نے ارشاد فرمایا کہ تم رسول اللہ صلعم سے بیعت نہیں کرتے ہم نے اپنے ہاتھ پھیلا دیئے اور عرض کیا کہ کس امر پر آپ کی بیعت کریں یا رسول اللہ صلعم۔ آپ ؐ نے فرمایا ان امور پر کہ اللہ تعالےٰ کی عبادت کرو اور ان کے ساتھ کسی کو شریک مت کرو اور پانچوں نمازیں پڑھو اور ذا احکام، سنو اور مانو اور ایک بات آہستہ فرمائی وہ یہ کہ لوگوں سے کوئی چیز مت مانگو۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے ان

حضرات میں سے بعض کی یہ حالت دیکھی ہے کہ اتفاقاً چابک گر پڑا تو وہ بھی کسی سے نہیں مانگا کہ اٹھا کر ان کو دے دے۔" روایت کیا اس کو مسلم اور ابو داؤد اور نسائی نے اس ترجمۂ حدیث کے بعد "مسئلہ بیعت طریقت و اصلاح اعمال" کے تحت لکھا ہے کہ "حضرت صوفیا کرام میں جو بیعت معمول ہے جس کا معاہدہ ہے التزام احکام و اہتمام اعمالِ ظاہری و باطنی کا جس کو ان کے عرف میں بیعت طریقت کہتے ہیں بعض اہلِ ظاہر اس بناء پر بدعت کہتے ہیں کہ حضور صلعم سے نہیں صرف کافروں کو بیعت اسلام اور مسلمانوں کو بیعت جہاد کرنا معمول تھا مگر اسی حدیث میں اس کا صریح اثبات موجود ہے کہ یہ مخاطبین چونکہ صحابہ ہیں اس لئے یہ بیعت اسلام یقیناً نہیں کہ تحصیل حاصل لازم آتا ہے اور مضمونِ بیعت سے ظاہر ہے کہ بیعتِ جہاد بھی نہیں بلکہ بہ دلالت الفاظ معلوم ہے کہ التزام و اہتمام اعمال کے لئے ہے پس مقصود ثابت ہو گیا۔

حضرت موصوف نے تقریباً یہی مضمون التکشف کے صفحہ ۴۲۸ میں بھی تحت حدیث ۲۶۸ بیان فرمایا ہے، دیکھا جا سکتا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رح شرح موطا کے "باب البیعۃ" میں لکھتے ہیں کہ بیعت صرف خلافت ہی پر موقوف نہیں اور جو صوفیا میں رواج بیعت ہے تو اس [illegible] کے علاوہ تفسیر فتح البیان میں

سورۂ فتح کی تفسیر میں لکھا ہے کہ "مشروعیت بیعت کا ثبوت ہے اور حضور صلعم نے اکثر بار بیعتیں لی ہیں جن کا احادیث صحیحہ سے ثبوت ملتا ہے اور یہ بلاشبہ جب کہ رسول اکرم صلعم سے کسی فعل کا صدور بطور عادت و اہتمام ثابت ہو جائے تو وہ قطعاً سنت فی الدین ہے اور جو دنیا میں رواج بیعت ہے تو اس کے بعض اقسام قابل قبول ہیں اور بعض قابل رد ہیں جس کا امتیاز کتاب اللہ سنت رسول اللہ صلعم ہی سے ہو سکتا ہے پس جواز بیعت جو مطابق سنت ہو وہ صحیح ہے اور سنت اور جو اس کے برعکس ہو وہ قطعاً غلط ہے۔

چنانچہ اسی بناء پر مشاہیر حضرات صوفیا کے تعلق سے ان کی قدر و منزلت کو ملا علی قاری نے شرح فقہ اکبر میں لکھا ہے کہ " یہ روش ہے سابقون الاولین تابعین مجتہدین مفسرین محدثین اور صوفیہ معتقدین کی جیسے داؤد طائی محاسبی سری سقطی رح معروف کرخی رح اور جنید بغدادی رح اور متاخرین صوفیا میں ابو نجیب سہروردی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی و شیخ شہاب الدین سہروردی اور ابوالقاسم قشیری اور جوان کے بعد ہوئے تو انہوں نے ترک صلوٰۃ اتباع شہوات کیا۔

اور علامہ ابن تیمیہ نے بھی فرقان میں حضرت فضیل بن عیاض، ابراہیم ادہم، اور سہل بن عبداللہ تستری رح کے تعلق سے لکھا ہے کہ مشائخوں

کرام ہوئے جو صاحبان کتاب و سنت ہیں چنانچہ حضرت جنید کے متعلق وہ کہتے ہیں
فان الجنید کان من ائمۃ الہدیٰ یعنی حضرت جنید امام رشد و ہدایت ہیں۔

غرض جواز بیعت پر کسی بھی صاحب فکر و نظر کو مجال انکار نہیں ہو سکتا کہ اس معاملہ میں قرآنی تہدید یا ایہا النبی اذا جاءک المومنت یبایعنک علیٰ ان لا یشرکن باللہ شیئاً ولا یسرقن ولا یزنین ولا یقتلن اولادھن ولا یاتین ببھتان یفترینہ بین ایدیھن وارجلھن ولا یعصینک فی معروف فبایعھن واستغفر لھن اللہ ان اللہ غفور رحیم ۲۸ ، ۸

(ترجمہ) اے نبی جب آئیں آپ کے پاس مسلمان عورتیں بیعت کرنے کو اس بات پر کہ شریک نہ ٹھہرائیں اللہ کا کسی کو اور نہ چوری کریں اور بدکاری نہ کریں اور اپنی اولاد کو نہ مار ڈالیں اور طوفان نہ لائیں باندھ کر اپنے ہاتھوں اور پاؤں میں اور آپ کی نافرمانی نہ کریں کسی بھلے کام میں تو ان کو بیعت کیجیے اور معافی مانگیے ان کے واسطے اللہ سے بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

غرض جواز بیعت پر کسی بھی صاحب فکر کو مجال انکار نہیں ہو سکتا ہے کہ اس معاملہ میں یہ قرآنی تہدید اب عام ہو کر عمل مستحب کا نام پا چکی۔



جوازِ بیعت اور قرآنی اشارے

اس کے علاوہ قرآن میں بھی جیسا کہ ابھی اوپر آیت گزری اسی رفع شرک اور رجوع الی اللہ کی دعوت دی گئی ہے:

پارہ ۲۱، رکوع ۱۱ میں ہے:

وان جاھدٰک علیٰ ان تشرک بی ما لیس لک بہ علمٌ فلا تطعھما وصاحبھما فی الدنیا معروفاً واتبع سبیل من اناب الیَّ (۱۱) اگر ماں باپ تجھے اس بات پر آمادہ کریں کہ تو میرے ساتھ کسی کو شریک بنائے جس کا تجھے علم نہیں ہے تو اس معاملہ میں تو ان کی اطاعت نہ کر ہاں دینوی معاملات میں ان کا ساتھ ضرور دے مگر اتباع تو ان ہی کی کر جو ہماری طرف رجوع ہوتا ہے۔

اس آیت میں یہ ثابت ہوا کہ رفع شرک کے لیئے حصول علم کی ضرورت ہے اور اس مقصد سے کسی ایسے رہبر کامل کی ضرورت ہے جو خدا تک پہنچا دے یہاں "واتبع سبیل" سے رہبر کامل کا مفہوم واضح ہو رہا ہے اور "من اناب الیَّ" سے خدا تک پہنچے یا "خدارسی" کا مطلب ظاہر ہو رہا ہے گویا یہ آیت کھلے طور پر دعوتِ طریقت دے رہی ہے کہ تم اس راستے پر چلو جو

جو ہم تک پہنچتا ہے یہاں "اتباع" کا مفہوم "اطاعت" کے بالمقابل بہت ہی معنی خیز ہے کیوں کہ اطاعت صرف کہا مان لینے کو کہتے ہیں اور اتباع کسی کے نقشِ قدم پر چلنے کو یعنی یہاں کسی باخدا شخص کی پیروی کی دعوت دی گئی اور جہاں کسی کی پیروی مقصود ہوتی ہے تو وہاں ایک طرح کا معاہدہ طے پاتا ہے جیسے عام طور پر دفاتر، مدارس، کالج یا کسی بھی فرم یا فیکٹری یا کلب یا پارٹی کمیٹی وغیرہ ملازمت، شرکت اور رکنیت وغیرہ کے لیئے پہلے پہل مطبوعہ شرائط ناموں کی خانہ پری یا پرنٹیڈ فارمس فل اپ کر کے دستخط کرنی پڑتی ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ دستخط کرنے والے نے عہد کر لیا ہے کہ وہ متعلقہ شرائط و ادب کا پابند رہے گا بالکل اسی طرح بیعت بھی ایک معاہدہ ہوتا ہے جس کا تعلق اقرارِ لسانی و تصدیقِ قلبی سے ہے جس کے لیئے ہاتھ میں ہاتھ دیا جاتا ہے۔

حضور صلعم نے صحابہ سے اس قسم کی بیعت لی تھی حالاں کہ وہ کفر و شرک سے توبہ کر کے ایک مسلم صالح کی زندگی بسر کر رہے تھے اور اطاعت خدا و رسول میں پیش پیش تھے مگر اس کے باوجود بھی انھیں جو دعوتِ بیعت دی گئی تھی وہ بہت خاص تھی جس کا تعلق بیعتِ اسلام سے نہیں بلکہ ایسی بیعت سے تھا جس میں اللہ کے ساتھ کسی بھی شائبہ شرک کو دخل نہ دینے کا معاہدہ تھا کیوں کہ اسلام اللہ کی معبودیت کی تسلیم کا نام ہے اور یہ

صحابہ کو حاصل تھی اور اس کے بعد صحابہ سے علاوہ بیعت جہاد وغیرہ کے ایک ایسی بیعت بھی لی گئی جس میں تکمیلۂ دین کے لیئے "تحصیل احسان" کی ضرورت تھی کیوں کہ حدیث جبرئیل میں جو بخاری و مسلم کی مشہور حدیث ہے یہ بتایا گیا ہے کہ حضرت جبرئیل "وحیہ کلبی" ایک صحابی کی شکل میں آکر حضور سے اسلام، ایمان احسان اور قیامت کے تعلق سے سوالات کرتے اور حضور صلعم سے اس کے جوابات سنتے اور تصدیق کرتے جاتے ہیں اور جب وہ واپس تشریف لے جاتے ہیں حضور صلعم صحابہ کے استفسار پر فرماتے ہیں کہ یہ جبرئیل تھے جو تم کو دین سکھانے آئے تھے۔

یہاں دین کا لفظ حاوی ہے اسلام، ایمان اور اس کے بعد "احسان" پر گویا تکمیلۂ دین کے لیئے اسلام و ایمان کی تحصیل کے ساتھ ساتھ احسان کا حصول بھی ضروری ہے جس کی تعریف بہ اعتبار حدیث مذکورہ یہ ہے کہ اللہ کی ایسی عبادت کرنا گویا ہم اس کو دیکھ رہے ہیں اور اگر اس کو نہ دیکھ سکیں تو اس کا یقین کرنا کہ وہ ہم کو دیکھ ہی رہا ہے۔

یہاں احسان کی اس تعریف سے واضح ہو رہا ہے کہ اللہ کی عبادت میں قید زماں و مکاں نہ ہو جیسا کہ ارکان اسلام میں کلمہ، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج ہیں گویا نوافل و فرائض عبادت دونوں میں بھی اب رمز عبادت یا بصیرت کو شامل کر دیا گیا ہے تاکہ اعضاء و جوارح کے ساتھ دل و نظر بھی عابد و زاہد ہو جائیں

اور اسی لیئے دعوت احسان یہاں دی گئی ہے کہ عبادت میں نظر پیدا ہو کر معبود مستحضر ہو جائے اور آنکھ سے نہ دیکھ کر بھی دل کو ذوقِ دید حاصل ہو جائے اور جہاں ابصار کام نہ آوے وہاں بصیرت کے آگے بڑھ جائے چنانچہ اس لیئے حضور صلعم نے بیعت لی جس کا تعلق بیعتِ اسلام و جہاد وغیرہ سے نہ تھا اور حضور کے پردہ فرما جانے کے بعد اب یہ بیعت دوسرے علوم و اعمالِ دین کی طرح ایک مستقل حیثیت میں ایک ممتاز راستہ اختیار کر گئی جس کی امامت و رہبری کے لیئے چند افراد ذکیہ نے اپنی زندگی وقف فرما دی اور بمصداق قرآن والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا[۲] جو ہمارے معاملے میں سعی کرتے ہیں تو ہم بھی ان کے لیئے خصوصی راستے دکھاتے ہیں۔

ان حضرات نے اپنے تجربہ ہائے علم و عمل سے اپنے متبعین و وابستگان کے لیئے آسانیاں پیدا کرنے کی غرض سے اس "علم احسان" کو بعنوانِ تصوف مدون فرمایا اور اس کے لیئے قواعد و ضوابط مرتب فرمائے گویا اس علم کا دوسرا نام طریقت رکھا گیا جس کا اردو میں ٹھیک ترجمہ "چلن" کیا جا سکتا ہے یعنی تصوف یا علم احسان اور طریقت ایک ایسا چلن ہے جس میں اللہ کی عبادت و طاعت کے ساتھ ساتھ اپنے معبود حقیقی کو بہ دیدۂ دل دیکھنے کا سلیقہ پیدا ہو جاتا ہے چنانچہ یہ وہی لوگ ہیں جو خدا اور رسول کی اطاعت و اتباع میں چل کر دوسروں کے لیئے موجب ہدایت ہو جاتے ہیں۔

اور اسی لیے اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے:

قل ہٰذہ سبیلی ادعوا الی اللہ علی بصیرۃ انا ومن اتبعنی [۱۲/۱۳]

یعنی اے محمد صلعم آپ لوگوں میں کہہ دیجیے کہ یہی میرا راستہ ہے جس پر باعتبار بصیرت و بینائی دل میں اور جو میری اتباع میں چل رہے ہیں وہ اللہ کی طرف بلاتے ہیں یہاں اس آیت میں "سبیل" سے طریقہ رجوع الی اللہ اور "بصیرت" سے حدیث احسان اور "من اتبعنی" سے شیوخ طریقت کی طرف کھلے اشارے مل رہے ہیں۔ رہا یہ اعتراض کہ شیوخ طریقت میں کوئی قادری، چشتی، سہروردی اور نقشبندی کیوں ہے تو اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے اہل سنت والجماعت کے لئے مذاہب اربعہ ہیں جس میں کوئی حنبلی کوئی مالکی، کوئی حنفی اور کوئی شافعی ہے۔

اس کے علاوہ جب کہ خود حق تعالیٰ نے "سبیل" کہہ کر "من اناب الیّ" یعنی اپنی طرف پہنچنے والے راستے سے اس کی تعبیر فرمائی ہے تو اسی "سبیل" کی جمع بنا کر اسی ذات پاک "سبلنا" میں مذاہب صوفیا کی مستحسن ایجادات یا ان کی نکالی ہوئی خصوصی شاہراہوں کو چھپا دیا ہے "سبلنا" کی آیت اوپر گزر چکی ہے۔

غرض آیات قرآنی سے بھی جواز بیعت کا اثبات ہو چکا ہے جس پر مشاہیر فقہا علماء کا تواتر عمل شاہد ہے (مزید تفصیل کے لئے دیکھئے کتاب



جوازِ مراقبہ و تصورِ شیخ

جوازِ بیعت کا اثبات تو ہو ہی چکا ہے اب واضح رہے کہ شیخ یا پیر جو کہ اپنے اوپر کے شیخ سے بیعت و استفاضۂ صحبت و تربیت کے بعد اس کا اجازت یافتہ ہوتا ہے وہی اب اپنے مرید و طالبِ حق کے لئے شیخ طریقت ہو جاتا ہے۔ اب جو شیخ صحیح سلسلہ اور اجازت یافتہ ہو تو مرید کو چاہیئے کہ اس کو خدا رسی و رسول شناسی کے لئے اپنا وسیلہ بنائے اور اس کے ارشادات پر عمل کرے اور اس کی صورت کو اپنے پیش نظر رکھے کہ یہ جائز ہے کیوں کہ صورت شیخ دراصل برزخ ہے مرید اور خدا کے درمیان [illegible] جس طرح حضرت جبرئیل حضور اکرم صلعم اور اللہ تعالٰے کے درمیان نزولِ وحی کا ذریعہ تھے۔ سچ تو یہ ہے کہ تمام فیضان علم و عرفان کا واسطہ حقیقی ذاتِ شیخ ہی ہوا کرتی ہے کہ اس سے ربط ٹھیک رہا تو سب ٹھیک ہوا اور اس ربط کے ٹھیک ہونے کی تین علامتیں یعنی شیخ کی عظمت مرید کے دل میں ہمیشہ رہے اس کی محبت دل و جان سے کی جائے اور اس کی خدمت کو اپنے اوپر ہر وقت لازم رکھے کیونکہ

مرید اسی ایک واسطہ سے خدا کو بہ اعتبار بصیرت اپنے انفس و آفاق میں دیکھ لیتا ہے اور اسی غرض سے تصور شیخ کو بوقت مراقبہ قائم رکھنے کی ہدایت دی جاتی ہے کہ اسی تصویر سے ذاتِ مصور کی یافت ہوتی ہے گویا مراقبہ اور تصور شیخ ایک ہی چیز ہے کہ اس کے ذریعہ سے مرید اپنے انفس میں حق ہی کا ادراک کرتا ہے بس یہی غایت سلوک ہے جس کے لئے مراقبہ و تصور شیخ کی ایجاد ہوئی۔

چنانچہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رح نے "تصور شیخ" کے زیر عنوان حدیث تحریر فرما کر اس کا ترجمہ لکھا ہے:

"حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں گویا رسول اللہؐ کو دیکھ رہا ہوں کہ ایک نبی کی انبیاء میں سے حکایت فرماتے تھے جن کو ان کی قوم نے مارا تھا اور خون آلودہ کر دیا تھا اور وہ اپنے چہرہ سے خون پونچھتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے کہ اے اللہ میری قوم کو بخش دے کیونکہ وہ جانتے نہیں" روایت کیا اس کو بخاری و مسلم نے مشکوٰۃ ص ۴۲۶۔

اس کے بعد شغل تصورِ شیخ کی سرخی میں لکھتے ہیں گویا تصور شیخ کی خصوصیات زائد ہیں کہ وہ اس کی نفسِ حقیقت سے خارج ہیں اور اسی طرح جو اس سے غرض ہے اس سے بھی اس حدیث میں تعرض نہیں مگر اس کی جو نفسِ حقیقت ہے کہ غائب کی طرف مثل حاضر کے نظر خیالی کی جائے اس

سے صراحتاً ثابت ہے۔ (التکشف صنہ ۴۲)

صحیحین کی حدیث سے واضح ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ رضؓ نے جو حضور صلعم کے سرِ مبارک کو احرام باندھنے سے قبل جو خوشبو لگائی تھی ایک عرصہ کے بعد اس واقعہ کو حضرت عائشہ رضؓ نے اس طرح فرمایا جیسے وہ ابھی تازہ تازہ ہوا ہے چنانچہ آپ فرماتی ہیں کہ "گویا میں حضور صلعم کے سرِ مبارک میں خوشبو کی چمک کو دیکھ رہی ہوں۔" ایک حدیث سے ثابت ہے کہ حضرت ابو حجیفہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم سُرخ حُلّہ پہنے ہوئے تھے "گویا میں حضورؐ کی نورانی پنڈلیوں کی چمک کو دیکھ رہا ہوں۔ (بحوالہ جامع ترمذی)

احادیث بالا سے تصور کی اہمیت ثابت ہو ہی گئی ہے یہی نہیں بلکہ خود حضور صلعم نے حدیثِ احسان میں فرمایا ہے کہ ان تعبد اللہ کانک تراہ وان لم تکن تراہ فانہ یراک" یہاں بھی "کانک تراہ" میں اثباتِ تصور کا پتہ چلتا ہے اور خود قرآن سے بھی اثباتِ تصور حسب ذیل آیت تلاوت کیا جاسکتی ہے: وفی انفسکم افلا تبصرون ۲۶/۱۸ آثارِ الٰہی خود تمہاری جانوں میں ہیں تو کیا تم نہیں دیکھتے اور آیت الم تر کیف فعل ربک باصحاب الفیل ۳۰/۳ یعنی کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا۔ یہاں ان دونوں آیتوں میں دعوتِ تصور ہے۔

حضرت حاجی امداد اللہ شاہ رحؒ نے ضیاء القلوب میں حصولِ زیارت کے لئے

ایک طریقہ تحریر فرمایا ہے:

باادب تمام روئے بسوئے مدینہ منورہ بنشیند و ملتجی از جناب قدس حقیقت محمدیہ برائے حصول زیارت جمال مبارک صلی اللہ علیہ وسلم شود و دل از جمیع خطرات خالی کردہ صورت آں حضرت صلعم بلباس بسیار سفید و عمامہ سبز و چہرہ منور مثل بدر برکرسی نور تصور کنند" اور اس طرح تصور شیخ کے تعلق سے تحریر فرمایا ہے کہ دفع خطرات کیلیے شیخ ہی کے مشاہدہ جمال کو واسطہ بنائیں۔ فرماتے ہیں:

اگر در حالت ذکر خطرہ درآید بہ مشاہدہ جمال مرشد آں خطرہ را دفع سازد و بازبذکر مشغول شود علاوہ ازیں تصور شیخ کے بارے میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رح نے لکھا ہے کہ این قسم دولت سعادت منداں را میسر است تا در جمیع احوال صاحب رابطہ را متوسط خود دانند در جمیع اوقات متوجہ او باشند۔

غرض تصور کی دنیا بھی عجیب ہے کہ یہاں ماضی بھی حال اور مستقبل بھی حاضر ہو جاتا ہے اور اسی رستے سے نور ہدایت کی منزل قریب تر ہو جاتی ہے اور غائب مستحضر ہو جاتا ہے۔



حجیتِ اذکار و اوراد

حضرت مولانا شاہ رفیع الدین محدث دہلویؒ کے فتاویٰ میں ہے کہ
"اشغال واذکار اور مراقبہ کی اصل آیتوں اور حدیثوں کی رو سے ہے
لیکن ان کے طریقے شد اور مد اور ضرب اور حبس نفس اور سر کا حرکت
دینا کسی جگہ نہیں آیا۔ یہ مشائخ کے تجربے ہیں یہ افعال سالک کے لئے ظاہر
میں مباحات کے طریق سے ہیں جیسا قوت بڑھانے کے لیے ورزش اور کشتی لیزم
اور مگدر کا استعمال کرتے ہیں اس میں کوئی وجہ حرمت کی نہیں معلوم ہوئی بلکہ ایک
قسم نفسانی علاجوں کی ہے۔ خطروں کے دفع کرنے اور محبت کی گرمی پیدا کرنے کی
غرض سے" واللہ اعلم" (بحوالہ اردو ترجمہ فتاوی مطبوعہ عصر جدید پریس بنگلور)

التکشف میں حدیث (۴۷) کے ذیل میں کہ "حضرت ابن عمرؓ سے
روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لبیکَ میں کلماتِ مخصوصہ سے
زائد نہ فرماتے مگر حضرت عمرؓ لبیکُ وسعدیکُ والخیر فی یدیکَ والرغباء
الیکَ والعمل' اور بڑھا دیتے تھے اور ایک روایت میں ہے کہ بعضے لوگ
'ذالمعارج' وغیرہ الفاظ بڑھا دیتے اور حضور صلعم سن کر کچھ نہ فرماتے تھے۔ (تیسیر ۱۱۳)
حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے "جواز زیادت فی الاذکار" کے عنوان
میں اس حدیث کے بعد تحریر فرمایا ہے کہ "بعضے متشددین حضرات صوفیہ پر
بعضے اذکار و اوراد کے ایجاد پر اعتراض بدعت کا کرتے ہیں اس حدیث
سے ایجاد کا جواز ثابت ہوتا ہے۔" (التکشف ص ۳۵۳)

اس کے علاوہ جوانہ تعمیر گنبد وخانقاہ کے زیر عنوان کتاب التکشف سے جو حدیث نقل کی جا چکی ہے اس کے ذیل میں حضرت ممدوح نے بعنوان ذکرِ حلقہ تحریر فرمایا ہے کہ بہت سے ذاکرین کے ایک جگہ جمع ہو کر ذکر کرنے سے دلچسپی ذکر میں اور تعاکس انوارِ قلوب میں اور نشاط اور ہمت کا بڑھانا اور سستی کا دفع ہونا اور مداومت میں سہولت وغیرہ منافع حاصل ہوتے ہیں اس کو ذکرِ حلقہ کہتے ہیں اس حدیث میں اس کی اصل مع اشارہ کے اس کی برکات کی طرف موجود ہے" (التکشف ۳۲۹)

قرآنِ مجید میں بھی ذکر کو کئی طریقوں سے بیان فرمایا گیا ہے جن سے پتہ چلتا ہے کہ صوفیائے کے بتائے ہوئے طریق بھی قرآن ہی کے اصول پہ قائم ہیں جن میں ذکرِ جہری، سری، و قلبی سب ہی شامل ہیں اور دعوت بھی اللہ تعالیٰ نے کثرت ذکر ہی کی دی ہے کہ "یا ایہا الذین آمنوا ذکروا اللہ ذکراً کثیراً پ۲۲ وسبحوہ بکرۃً واصیلاً پ۲۲ واذکر ربک فی نفسک تضرعا وخیفتۃ پ۹ یہ ہی نہیں بلکہ ذاکرین کی اللہ نے تعریف بھی فرمائی کہ رجال" لا تلھیہم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ" یعنی یہ مردانِ خدا وہ ہیں جنھیں کوئی خرید و فروخت بھی اللہ کے ذکر سے غافل نہیں کرتی یہاں اس آیت سے ذکرِ دوامی کا پتہ چل رہا ہے اور ترغیب بھی اسی ذکر کی ہے" فاذا قضیتم الصلوۃ فاذکروا اللہ قیاماً وقعودا

وعلیٰ جنوبکم ۱۲ یعنی جب نماز پوری کر چکو تو اللہ کا ذکر کھڑے۔ بیٹھے اور لیٹے ہوئے کرتے رہو" چنانچہ اسی بناء پر اکثر بزرگان دین نے پاس انفاس کا طریقہ رائج فرمایا ہے جس کی تصدیق بھی اس حدیث مبارک سے ہو جاتی ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے احکام اسلام بہت زیادہ معلوم ہوتے ہیں مجھے ایک ہی چیز بتلا دیجئے حضور صلعم نے فرمایا" لایزال لسانک رطباً من ذکر اللہ یعنی تیری زبان ذکر میں برابر و مسلسل جاری رہے (مسلم)

پس اگر حدیث و قرآن کی اتباع میں ذکر کے مخصوص طریقوں کو صوفیاء علماء نے رواج دیا ہو تو وہ کب خارج از سنت ہو سکتے ہیں جبکہ اس کی اصل کتاب و سنت میں موجود ہی ہے۔



جوازِ تبرک فی الکفن

بعض مریدین و معتقدین اپنے شیوخ یا کسی بزرگ کی اشیاء مستعملہ کو بطور تبرک استعمال کر لیا کرتے ہیں جس کے جواز میں بحث ہو چکی ہے یہاں بتانا ہے کہ بعض لوگ کسی بزرگ کی مستعملہ اشیاء کو اپنے یا کسی میت کے ساتھ قبر یا کفن میں رکھنے کے شائق ہوتے ہیں۔

چنانچہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے التکشف حدیث
روایت تحریر فرما کر ترجمہ لکھا ہے کہ حضرت شداد رضؓ بن الہاد سے مر
کہ ایک شخص دیہاتی حاضر ہوا اور نبی صلعم پہ ایمان لایا اور اسی
یہ ہے کہ اس شخص نے عرض کیا کہ میں نے اس امید پہ آپ کا اتبا
کہ (جہاد میں) میری اس جگہ یعنی حلق میں تیر لگ جاوے اور میں مر
جنت میں چلا جاؤں آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تو اللہ کے ساتھ
میں) سچا ہے تو خدائے تعالےٰ نے تجھ کو (اس امید پہ) سچا کر دے
تھوڑی ہی مدت گزری تھی پھر ایک جہاد کے لیئے لوگ تیار ہے
شخص بھی چلا، پھر حضور صلعم کے پاس اس کی لاش اٹھا کر لائی گ
کے خاص حلق میں تیر لگا تھا حضور صلعم نے ارشاد فرمایا کیا یہ و
لوگوں نے عرض کیا کہ ہاں وہی شخص ہے تو آپؐ نے فرمایا یہ اللہ کے
تھا اللہ نے اس کو سچا کر دیا پھر حضور صلعم کے قمیص مبارک میں ا
دیا گیا۔ روایت کیا اس کو نسائیؒ نے تیسیر ص۹۶ پر۔

حضرت موصوف نے اس حدیث کے سلسلہ میں بعنوان "تبر
تحریر فرمایا ہے کہ "رسم تبرک فی الکفن" قمیص مبارک
صحابی کا کفنایا جانا اصل ہے اس رسم کی جو محبانِ قوم میں مستعمل
کے البسہ وغیرہ سے حیواۃ و مماۃً حاصل کرتے ہیں۔

اس خصوص میں ایک واقعہ عمر رض کا بھی سنداً پیش کیا جا سکتا ہے کہ حضرت عمر رض کے کسی صاحبزادہ کو حضرت حسین علیہ السلام نے یوں ہی کھیل میں غلام زادہ کہہ دیا تو وہ اپنے والد ماجد سے شاکی ہوئے تو آپ رض نے اپنے بیٹے سے کہا "جلدی جاؤ" اور یہی بات حسین ع سے لکھوا لاؤ تاکہ میں اسے اپنے قبر میں لے جاؤں" یہاں یہ واقعہ بھی مندرجہ صدر عنوان کے جواز پر ایک سند ہے۔

اس کے علاوہ بعض اہلِ طریقت اپنے شیوخ سے شجرۂ بیعت حاصل کرکے اسے اپنی قبر میں رکھوا لیتے ہیں تو اس کا بھی جواز واقعۂ صدر سے ہو جاتا ہے چنانچہ "تصریح الاوثق" میں ہے کہ" جن لوگوں کو مردہ کا شجرہ قبر میں رکھنے کی عادت ہو تو یا وصیت کی ہو قبر میں رکھنے کیلئے رکھنا جائز ہے کچھ ممنوع نہیں۔ اس کا طریقہ یوں ہے کہ سرہانے میت کے ایک چھوٹا محراب بناکے اس میں رکھ دیں جیساکہ شاہ عبدالعزیز دہلوی کا فتویٰ اس میں بے نظیر ہے۔

مجموعۂ رسائل خمسہ شاہ عبدالعزیز دہلوی رح المشہور رسالۂ فیض عام جو مجموعہ فتاوی عزیزی مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلوی دص ۱۸۳) میں بعینہٗ یوں مرقوم ہے سوال شجرہ در غیر نہادہ خواہد شد یا نہ داگر نہادہ خواہد شد ترکیب آں عنایت شود جواب شجرہ در قبر نہادن معمول بزرگان است لیکن ایں رادہ طریق است ..... الخ مختصر ترجمہ یہ کہ سرہانے میت کے قبر کے اندر ایک محراب بناکے

اس میں شجرہ کو لکھ دیں۔"

لیکن اس دور میں اس سے احتیاط ہی اولیٰ ہے کیوں کہ فی زمانہ رسمی پیری مریدی کا رواج بہت بڑھ گیا ہے جس کی وجہ سے کہیں تو بلا بیعت و خلافت و اجازت باپ کے انتقال کے بعد بیٹے کو گدی پر بٹھا دیا جاتا ہے اور کہیں کسی مرید کو دوسرے مریدین مل کر خلیفہ یا سجادہ نشین بنا دیتے ہیں اول تو خود اصل شیخ یا پیر ہی کے تعلق سے خدشہ اور شبہ ہے کہ آیا وہ خود بھی اپنے شیخ یا باپ سے اجازت یافتہ و تعلیم یافتہ ہیں یا نہیں اور یہ بات نہ صرف دیہاتوں میں بلکہ اکثر شہروں کی خانقاہوں میں پائی جاتی ہے کہ کسی بزرگ کے انتقال کے وقت ان کے صاحبزادہ بہت ہی کم سن جیسے آٹھ نو سال کے تھے چند مریدوں نے ان "پیر نابالغ" کو مسند رشد و ارشاد پر بٹھا دیا حالاں کہ نہ ان صاحبزادہ صاحب کو باپ سے بیعت ہی حاصل ہوئی اور نہ کچھ علم طریقت ہی ملا مگر جب لوگوں کی طرف سے مسندِ سجادگی مل چکی تو یہ بھی رفتہ رفتہ اپنے وقت کے بڑے پیر بن گئے اور "پیراں نمی پرند مریداں می پرانند" کے بمصداق کچھ سے کچھ بنا دیئے گئے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آگے چل کر یہی بزرگ زادے لوگوں کو اپنے ہاتھ پر بیعت میں لینا شروع کر دیتے ہیں اور ہاتھ میں اپنا شجرہ تھما دیتے ہیں حالاں کہ ان کے اور ان کے پیر کے درمیان بوجہِ عدم تسلسل بیعت ایک خطِ فاصل کھینچا ہوتا اور یہ اپنی خانقاہ علم لدنی میں "چھوٹی آئینت

اور بڑی "انیت" کی اصطلاح پر حقائق بیان فرمانے لگتے ہیں اور اس طرح تلاش حق میں کھویا ہوا مسافر یہ جعلی ٹکٹ لے کر غلط ہاتھوں کی رہنمائی کو اپنے لیے اشارۂ ہدایت سمجھ لیتا ہے حالاں کہ وہ راہِ حق سے بہت دُور نکل جاتا ہے یہ تو شہروں کی بعض خانقاہوں کا حال ہوا اور گاؤں کے مشائخ کچھ ان سے بھی بڑھ کر دلیر ہوتے ہیں کہ ہر سال کے آغاز پر اپنی اپنی گذر پر پہونچ جاتے ہیں مطبوعہ شجروں کا ذخیرہ ساتھ ہوتا ہے ، جس میں کہیں کوئی شاخ سوکھی ہوئی ہوتی ہے تو کہیں کوئی تنہ کھوکھلا اور کہیں تو پیڑ ہی جڑ سے اکھڑی ہوتی ہے ، ہر نئے مرید کو یہ شجرہ فروخت ہوا اور اسے ہدایت ہوئی کہ اسے قبر میں ساتھ لیتے جانا کہ اس کی موجودگی میں فرشتے سوال نہیں کریں گے اور داروغۂ جنت بھی اس پروانۂ راہداری کو دیکھ کر دروازہ کھول دے گا چوں کہ آدمی آرام پسند ہوتا ہے اسے یہ پروانۂ راہداری مل جائے تو پھر نماز ، روزہ سے برأت ہی ہوگئی ۔ اس لئے وہ سالانہ محصول لگان یا نذرانۂ پیری ادا کر کے مطمئن رہتا ہے کہ پیر صاحب میری آخرت کے ذمہ دار ہیں ۔ غرض ایسے مستند شجروں کا اس دور میں بہت زور ہے اس لیے بہتر تو یہ ہے کہ جہاں تحقیقی بیعت اور شجرہ کی صحت نہ ہو تو ایسے شخص کو کسی جگہ صحیح نسبت حاصل کر لینا چاہیئے اور اگر صحیح سلسلہ شجرہ بھی ہو تو اس تصور سے کہ " قبر میں منکر نکیر " واپس ہو جائیں گے یا جنت کا دروازہ کھول دیا جائے گا قطعاً صحیح نہیں ہے

البتہ اس سے بقول حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رح "برکت حیاۃ ومماۃ" حاصل کر سکتے ہیں۔



جوازِ قیام برائے تعظیم

حضرت ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ ہم لوگوں کے ساتھ باتیں کیا کرتے تھے پھر جب اُٹھتے تو ہم لوگ سب اُٹھ کھڑے ہوتے اور ٹھہرے رہتے یہاں تک کہ حضورؐ صلعم اندر تشریف لے جاتے۔

(ابوداؤد)

بخاری شریف میں ہے کہ حضورؐ نے حضرت سعد بن معاذ کو بنی قریظہ پر طلب فرمایا اور جب وہ آگئے تو اپنے لوگوں سے فرمایا قوموا الیٰ سیدکم یعنی اپنے سردار کی آمد پر احتراماً کھڑے ہو جاؤ۔

اس کے علاوہ احادیث سے حضرت عکرمہ رضؓ اور حضرت جعفرؓ کے لئے خود حضورؐ صلعم کا بہ نفس نفیس قیام فرمانا بھی ثابت ہے (بحوالہ مشکوٰۃ)

اسی بناء پر اولی الامر اور قابل احترام شخصیتوں کے لئے اکرام و استقبال کے طور پر قیام کو جائز بتایا گیا ہے چنانچہ حضرت امام مالک، امام مسلم امام بخاری، امام ابوداؤد رحمتہ اللہ علیہم اور دیگر آئمہ کرام بھی قیام تعظیمی

کے جواز پر متفق ہیں۔

چنانچہ اسی لیئے باعتبار شریعت حسب ذیل مقامات پر قیام کو جائز قرار نہ دینے کا کوئی حکم نہیں ہے۔

۱۔ باہر سے آنے والے کی تعظیم کے لیئے کھڑا ہونا

۲۔ وضو کا بچا ہوا پانی پینے کے لئے تعظیماً کھڑا ہونا۔

۳۔ آبِ زمزم کو کھڑا ہوکر پینا۔

۴۔ عمامہ باندھنے کے لیئے کھڑا ہونا

۵۔ چلتے ہوئے شخص کا اذان سنتے وقت کھڑا رہنا۔

۶۔ کبھی کھڑے ہوئے بھی ذکر کرنا۔

۷۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی منقبت و تذکرۂ پاک کے بیان کرنے کے لیے کھڑا ہونا۔

۸۔ روضۂ مبارک کے سامنے زیارت وسلام کے لیئے کھڑا ہونا

۹۔ کسی پیشوائے دین کی اس کی آمد پر احتراماً کھڑا ہونا۔

البتہ کسی شخص کا خود ہی اپنی تعظیم واکرام کے لیئے لوگوں کو قیام کا حکم دینا یا اس طرح کے قیام کو اپنے لئے پسند رکھنا یہ قطعاً ناجائز اور منع ہے جیسا کہ حدیث معاویہ سے ظاہر ہے کہ جو شخص دوست رکھے اس بات کو کہ لوگ اس کے لیئے کھڑے رہا کریں تو واجب ہے اس کے واسطے دوزخ (مشکوٰۃ)

حضرت انس رضؓ سے روایت ہے کہ فرمایا حضور صلعم نے کہ جو لوگ تم سے پہلے تھے وہ ہلاک ہوئے اسی وجہ سے کہ تعظیم کی انہوں نے بادشاہوں کی اس طور سے کھڑے رہتے تھے وہ اور سلاطین بیٹھے رہتے تھے۔

"اوپر کی" احادیث سے صاف ظاہر ہے کہ کسی کا از خود اپنی تعظیم کے لئے لوگوں کو آمادۂ قیام کرنا یا ایسے قیام تعظیمی کو جیسے بادشاہوں کے سامنے کیا جاتا ہے کہ لوگ دربار میں دست وصف بستہ کھڑے رہتے ہیں اور بادشاہ اجلاس فرماتا ہے اس طرح کے قیام کو حضورؐ نے ناجائز قرار دیا ہے اور اس کے قطع نظر مابقی طرز قیام کا جواز اوپر کی ابتدائی احادیث سے قطعاً ثابت ہے جس کے لئے قرآن کی حسب ذیل آیت پاک سے استدلال کیا جاسکتا ہے

یاایہا الذین اٰمنوا اذا قیل لکم تفسحوا فی المجلس فافسحوا یفسح اللّٰہ لکم واذا قیل انشزوا فانشزوا پ ۲۸-۱۳

یہاں اس آیت میں آدابِ حقوق مجلس کی رعایت کو ملحوظ رکھنے کا صریح حکم ہے پس اس سے کسی بھی محترم شخصیت کے قیام قطعاً جائز ہے



جوازِ قدم بوسی و تقبیل بدن شیخ

التکشف میں حدیث (۲۳۱) کا اصل متن تحریر فرمایا جا کر جیسا کہ علامت مصنفؒ ہے اس کا ترجمہ لکھا گیا ہے حضرت اسید بن حضیر سے روایت ہے کہ ایک شخص انصاری سے خوش مزاج تھے وہ ایک بار لوگوں سے باتیں کر رہے تھے اور ان کو ہنسا رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی کوکھ میں ایک لکڑی جو آپ کے ہاتھ میں تھی (ہلکے سے) چبھو دی وہ شخص کہنے لگے یا رسول اللہ مجھ کو بدلہ دیجئے آپ نے فرمایا کہ بدلہ لے لو انہوں نے عرض کیا کہ آپ کے بدن پر تو کرتہ ہے اور میرے بدن پر کرتہ نہ تھا آپ نے اپنا قمیص مبارک بدن سے اٹھا دیا وہ شخص آپ سے لپٹ گئے اور آپ کی کوکھ کو بوسے دینے لگے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ بس میرا تو یہ مطلب تھا۔ (روایت کیا اس کو ابو داؤد نے تیسیر صفحہ ۲۴۶)

اس حدیث کے ذیل میں "تقبیل بدن شیخ" کا عنوان دے کر حضرت ممدوح مولانا اشرف علی تھانوی نے تحریر فرمایا ہے کہ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دین جو محبین کی عادت ہے کہ پیر کے ہاتھ کو یا پانو کو یا پیشانی وغیرہ کو بوسہ دے لیتے ہیں اس کا بھی کچھ حرج نہیں البتہ اذن شرعی سے تجاوز نہ چاہیئے (بحوالہ التکشف صفحہ ۴۲۴)

مشکوٰۃ کی ایک حدیث میں ہے کہ زراع جو عبدالقیس کے وفد میں شامل تھے کہتے ہیں کہ جب ہم مدینہ میں آئے تو ہم جلدی جلدی اپنی سواریوں سے

اترے اور ہم نے رسول اللہ صلعم کے ہاتھوں اور پاؤں کو بوسہ دیا۔
لیجئے احادیث مذکورسے تقبیل بدن و دست بوسی کا جواز قطعاً ثابت
ہے اور کیوں نہ ہو کہ جب خود اللہ تعالیٰ نے احترام مومن کی تشویق و ترغیب
دلائی ہے واخفض جناحک لمن اتبعک من المومنین پ۱۹ ع۱۵
یعنی تم اپنے بازوں کو ان مومنین کے آگے جھکا دو جو تمہاری اتباع کرتے ہیں
قرآن کا جو تخاطب راست حضور صلعم کی ذاتِ مبارک ہی کے لیئے
ہے اس سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ ایک مسلم و مومنِ حقیقی کا اللہ کے پاس
کیا وزن ہے کہ اس کے استقبال کو ذاتِ رسالت بھی مشفقانہ طور پر قدم رنجہ
فرماتی ہے اور جب ایک مسلم و مومنِ صالح کا یہ مقام ہو تو اس کا کیا حال ہوگا
جسے اللہ تعالےٰ صدیق و شہید کے مرتبہ پر فائز کیا ہو۔
اور جو یہ توفیق ایزدی مسندِ رشد و ہدایت پر متمکن ہو اور اتباع
رسالت میں جس کی ساری دینی و دنیوی زندگی للہ رب العالمین ہو چکی ہو
تو وہ یقیناً اس قابل ہیں کہ کبھی ان کے ہاتھوں اور کبھی ان کے پیروں کو بوسے
دیئے جائیں کہ وہ تمام تر مرضیٔ حق میں کھوے جا کر "ان عبادی لیس لک
علیہم سلطان" کے زمرہ خاص میں آچکے ہیں اور اب گویا ان کی
قدم بوسی دست بوسی بھی شعائر اللہ کی تعریف میں آچکی ہے۔



حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک سُن کر انگلیوں پر بوسہ دینے کا جواز

زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے میری زباں کے لیئے

وہ ذاتِ مقدس کہ جسے مخاطب کرتے ہوئے خود حق تعالےٰ نے یہ فرمایا ہو "فانك بأعيننا" اگر اس کے نام پاک کو سُن کر احتراماً انگلیوں کی پوروں کو چوم کر آنکھوں سے لگایا جائے تو کیا ہوا کہ جس نام پر اللہ اور اس کے فرشتے مسلسل درود وسلام بھیجتے رہتے ہوں، سچ تو یہ ہے کہ ہماری اندھی نگاہوں نے حضور کو ایسا نہیں دیکھا جیسا کہ آپ ہیں اور اسی لیے تو حق تعالیٰ فرماتے ہیں تراھم ینظرون الیك وھم لایبصرون یعنی تم سمجھتے ہو کہ وہ تمہیں دیکھتے ہیں حالاں کہ وہ تو کچھ بھی نہیں دیکھتے بس یہی وجہ ہے کہ ہمارے دل محبتِ رسولؐ سے خالی ہیں اور جب دل کھوکھلے ہوں تو آنکھیں بھی بے نور ہیں۔

اور علامہ محدث محمد طاہر نے تکملۂ مجمع بحار الانوار میں حدیث شریف لکھی ہے: مسح العينين بباطن انملتی السبابتين بعد تقبيلهما عند سماع قول المؤذن اشهد ان محمداً

(اشہد ان محمدا رسول اللہ) یعنی موذن سے اشہد ان محمد الرسول اللہ سن کر انگشتانِ شہادت کے پورے نامب باطن سے چوم کر آنکھوں پر ملنا اور یہ دعا پڑھنا اشہد ان محمداً عبدہٗ و رسولہ رضیت باللہ ربا و بالاسلام دینا و بمحمد صلی اللہ علیہ وسلم نبیا۔ اس حدیث کو محدث دیلمی نے مسند الفردوس میں حضرت ابوبکر صدیق رضؓ سے روایت کیا کہ جب انہوں نے موذن سے اشہد ان محمدً رسول اللہ کہتے سنا یہ دعا پڑھی اور دونوں کلمے کی انگلیوں کے پورے جانب زیریں سے چوم کر آنکھوں سے لگائے اس پر آں حضرتؐ نے فرمایا جو ایسا کرے جیسا میرے خلیل نے کیا اس پر میری شفاعت حلال ہو جائے گی اور آخر میں ہر دو محدثوں نے کہا "ولا یصح" مطلب یہ ہے کہ یہ حدیث صحیح لذاتہ نہیں بلکہ حسن لغیرہ ہے اور یہ حجت ہے اس واسطے فقہائے کرام اس فعلِ تقبیل کو سنت و مستحب کہتے ہیں۔ فتاویٰ مضمرات میں یہ فعل سنت ہے اور درالمختار حاشیۂ درمختار میں یہ فعلِ مستحب ہے۔ درمختار میں ہے کہ کوئی فعل علماء کے پاس سنت اور مستحب ہونے میں اختلاف ہو تب احتیاطاً اس کو سنت سمجھیں اور کبھی ترک نہ کریں۔ پس اسی طرح اذان میں بوسہ دینا بھی سنت شرعی ہے۔

(حوالہ تصریح الاوثق)

نصاب اہلِ خدمات شرعیہ منظورہ محکمۂ امورِ مذہبی سابق حکومتِ

نظام میں مسائلِ اذان میں لکھا ہے پہلی مرتبہ "اشہد ان محمداً رسول اللہ"
سن کر صلی اللہ علیک یا رسول اللہ بھی کہنا اور دوسری مرتبہ سن کر اپنے
انگوٹھوں کے ناخنوں کو آنکھوں پر رکھ کر قرۃ عینی بک یا رسول اللہ
اللھم متعنی بالسمع والبصر کہنا مستحب ہے۔ اگر اس قدر وضاحت
پر بھی کسی کو انکار ہو تو یہ اس کی بد بختی ہے کہ وہ دعویٰ ایمان تو رکھتا ہے مگر
محبتِ رسول ؐ سے اس پر کوئی تصدیق نہیں لاتا۔ ہاں یوں زبانی طور پر تو محبت
کا دم بھر ہی لیتا ہے شاید ایسوں ہی کے لئے قرآن کا یہ ارشاد ہے:

ھاَنتم اولاءِ تحبّونھم ولا یحبّونکم وتؤمنون بالکتب
کلہٖ ج واذا لقوکم قالوآ اٰمنّا واذا خلوا عضوا علیکم الانامل
من الغیظ ط قل موتوا بغیظکم ان اللہ علیمٌ بذات الصدور

(۴-۳) تم تو ایسے ہو کہ ان سے محبت رکھتے ہو اور وہ تم سے محبت نہیں کرتے، اور تم
خدا کی ساری کتاب پر یقین رکھتے ہو اور تم جب ان سے ملتے ہو تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ
ہم بھی ایمان رکھتے ہیں اور جب اکیلے ہوتے ہیں تو مارے غصے کے اپنی انگلیوں کے پور
کاٹتے ہیں۔ تم کہہ دو کہ اپنے غصہ میں جل مرو، بے شک اللہ جو کچھ دلوں میں ہے
اُسے جانتا ہے۔



جوازِ سماع



اس لفظ کے معنی بظاہر "سُننے" ہی کے ہیں لیکن صوفیا کے نزدیک

بواسطہ حب وتعشق قلب کو مائل الی اللہ کرنے کے لیئے حمد ونعت مضامین تصوف اور اظہار نسبت وعقیدت پر کہی گئی غزلوں، نظموں وگیتوں کو کسی قوال یا کسی خوش آواز شخص سے الحان کے ساتھ سننے کا نام سماع ہے اس میں اکثر اوقات قوال اپنی آواز کو زیادہ خوبصورت اور پُرکشش بنانے یا اپنے گلے پر بار نہ ہونے کے لیئے آلاتِ طرب کا بھی استعمال کرتے ہیں۔

جو صوفیا ذوقِ سماع کے حامل ہیں اُن کے پاس سماع کے تین خصوصی آداب ہیں جس کو انہوں نے اصطلاح میں اخوان، زمان، اور مکان کا نام دیا ہے یعنی اخوان سے مُراد وہ لوگ جو ہمشرب اور اہلِ طریقت ہوں برائے نام مشائخ یا مشائخ زادے یا رسمی سجادگان (جو بلا تحصیلِ علم وخلافت واجازت صرف اپنے اجداد یا جدِ اعلیٰ کے مزارات کے غلاف بدلنے یا ہر سفتہ عشرہ قبروں کو غسل دیا جانتے ہوں یا عرسوں میں گھر سے صندل کی کشتیوں کو اٹھائے ہوئے باجوں کا ہول کی گونج میں درگاہ تک جانا جانتے ہیں) نہ ہوں۔

زماں سے مراد وہ وقت جو غیر نماز ہو یعنی جس میں کوئی وقت نماز کا شامل یا درمیان میں نہ ہو۔

مکاں سے مراد وہ محفوظ جگہ جہاں غیر اہلِ طریقت اور تماشہ بین حضرات جمع نہ ہوسکیں اور مقام ایسا پاک وصاف ہو کہ بوقت ضرورت نماز وغیرہ پڑھی جاسکے۔

متذکرۂ آداب سماع کے علاوہ کسی اور موقعہ پر سماع قطعاً جائز نہیں۔

(جیسا کہ بعض کی عادت ہوتی ہے کہ قبروں کے پاس بموقع عرس سالانہ یا ماہانہ مقررہ تاریخ پر کسی پیر یا پیر زادے یا خلیفہ یا کسی خاص مرید کے غسل میت کے موقعہ پر ان ہی پیروں یا پیرزادوں کے جنازے کے ساتھ قوالی کی چوکیوں کو بھی کرایہ پر بُلا لیتے ہیں اس طریقے کا سماع قطعاً جائز نہیں ہے موجب گناہ ہے۔

اور ایسی محفل سماع بھی ناجائز ہے جو کسی مقررہ تاریخ پر کسی ایسے گھر میں ہو جہاں کوئی اہلِ طریقت وصاحبِ اجازت شخص میرِ محفل نہ ہو اور وہ صاحبِ اجازت میرِ محفل بھی متبعِ شریعت نہ ہو۔ اور ایسے مقام پر بھی سماع صحیح نہیں ہے جہاں صاحبِ اجازت متبع شریعت شخص میرِ محفل تو ہو لیکن سننے والوں کی اکثریت تماشا بینوں کی ہو اور جو صرف اسی غرض سے جمع ہوں کہ قوالی کی محفل میں صنفِ مخالف کی نظارہ بازی کے موقع ہاتھ آئیں کہ صاحبِ خانہ کی بدانتظامی سے اہتمام پردہ نہ ہو تو بے پردگی کا لطف اٹھائیں کیوں کہ شیخ وقت اور میرِ محفل تو آنکھیں بند کیے قوالی کی پہلی ہی تھاپ پر اپنے آپ میں نہیں ہوتے بلکہ قوال کے ہر اشارہ پر خود بھی رقاص ہو جاتے ہیں تو یہ مرید تماپرستارانِ حورارضی کسی اور طرف دست بہ دعا رہتے ہیں اور یہ میرِ محفل یا شیخ وقت بہ استثنائے چند ایک صاحبِ حال مجذوب کی صورت بنائے قوال کی آواز پر سر تو دھنتے ہیں لیکن حرف ومعنی سے دور کا بھی لگاؤ نہیں رکھتے یا فکر وفہم کی ضرورت ہی نہیں سمجھتے اور کبھی جبہ وعمامہ کی معتبر

کو سنبھالے ہوئے ایک ڈرامے کے ایکٹر ہی کی طرح بند سماع کی بند صفوں میں گرفتار قوال کے رحم وکرم پر سراپا انتظار رہتے ہیں کہ وہ کب اپنی پیٹی یا تالی پیٹنا بند کرے اور یہ کب آزاد ہو کر کھلے دروازے سے اپنے جلوت کدۂ خلوت کی طرف فرار ہوں۔ مولانا روم نے سچ ہی تو کہا ہے ؎

بر سماع راست ہر تن چیرہ نیست
طعمہ ہر مرغکے انجیرہ نیست

یعنی سماع ہر کس و ناکس کی چیز نہیں جب ہی تو بعض بزرگوں نے فرمایا کہ خالی پیٹ ہو کر بھی بچھے ہوئے دستر خوان کو چھوڑ کر جو سماع کی طرف لپکے وہی اس کا اہل ہے کیوں نہ ہو سماع تو محض ایک چھیڑ کا نام ہے کہ سارے ساز تو بے آواز ہی ہیں بہ قول مولانا روم رح

نے ز تار و مے ز چوب دنے نہ پوست
خود بخود می آید ایں آواز دوست

گویا کوئی اور ہی ہے جو بے جان بنسری کو اپنے انفاس قدسیہ سے سرعطا فرما رہا ہے ورنہ غالب کے لفظوں میں ؎

بھرے ہیں جس قدر جام و سبو مئے خانہ خالی ہے

سماع کی کیفیت تو ان ہی کے دلوں سے پوچھنی چاہیئے جن کے حوصلے بلند جن کے ظرف وسیع ہوں اور جن کی خیرہ سامانی سے آفتاب بھی آب آب ہو جائے یہی وجہ

ہے کہ حضرت جامیؒ جیسی بحر العلوم شخصیت جنہیں حضرت خواجہ بہا الدین نقشبندؒ سے نسبت واردات حاصل ہے انہوں نے بھی حقیقت سماع پر ایک پُر معنیٰ مطلع کہا ہے۔

شاید بات ہی کچھ ایسی ہے کہ مزاج رسالتؐ بھی سماع سے چشم پوشی کی طرف مائل ہے جیسا کہ بیشتر احادیث ہے کہ حضور صلعم نے بہ نفس نفیس پاکیزہ اشعار کی سماعت فرمائی بلکہ بعض شاعروں کے نام لے کے ان کے اشعار کی فرمائش بھی لوگوں سے کی جیسا کہ حضرت انسؓ سے ایک حدیث میں ہے (واقعہ ذرا تفصیلی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے)، کہ حضور صلعم نے (کچھ لوگوں میں)، فرمایا تم میں سے کوئی ہے جو ہم کو اچھا شعر سنائے۔ ایک بدوی نے کہا میں سناتا ہوں پھر اس نے یہ شعر پڑھے ۔

"محبت کے سانپ نے میرے جگر کو ڈس لیا ہے جس کا نہ میرے پاس کوئی منتر ہے اور نہ اس کا طبیب ہے سوائے اس محبوب کے جس کا میں دیوانہ ہوں کہ وہی میرا علاج اور وہی میرا منتر ہے"

ان اشعار پر حضور صلعم کو وجد سا طاری ہوا یہاں تک کہ کندھے سے چادر مبارک سرک گئی اور صحابہؓ پر بھی ایک کیفیت طاری تھی کچھ دیر بعد جب یہ کیفیت فرو ہوئی تو حضرت معاویہ رضؓ نے سوال کیا، کیا رسول اللہ صلعم آپ کا یہ کھیل اچھا تھا؟

حضور صلعم نے جواباً ارشاد فرمایا " معاویہؓ! وہ شخص کریم نہیں جو اپنے حبیب کا ذکر سنے اور حرکت میں نہ آئے "

ایک ایسی ہی کیفیت کی طرف حق تعالیٰ نے بھی ارشاد فرمایا ہے:

واذا سمعوا ما انزل الی الرسول تری اعینھم تفیض من الدمع مما عرفوا من الحق ؕ جو کچھ رسول پر نازل ہوا اسے انہوں نے سنا ان کی آنکھیں آنسوؤں سے اُبل پڑتی تھیں دلوں کی اس کیفیت کا مظاہرہ آنکھوں سے ہی اچھی طرح ہوا کرتا ہے اسی لئے دعوتِ حق بھی زیادہ رونے کی ہے۔

فلیضحکوا قلیلاً ولیبکوا کثیرا ؕ اور اگر رونا نہ آئے تو کم از کم رونے کی صورت ہی بنانے کا حکم ہے۔ ابکوا فان لم تباکوا فتبا کوا۔ (حدیث)

رونا اور وجد میں آنا دراصل دل ہی کی کیفیات ہیں اور اس کیلئے قراءت و سماعت ہی اہم لوازمات ہیں اسی لئے حضور صلعم نے فرمایا لیس منا من لم یتغن بالقرآن یعنی جو شخص قرآن کو لَے سے نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں ، اور دوسری جگہ زینوا القرآن باصواتکم یعنی قرآن کو اپنی آواز سے زینت دو ، چنانچہ قرأت قرآن کے لئے تجوید کا لفظ خود ہی اپنے معانی پر حاوی ہے کہ اس سے بار بار وجد میں

آنا مراد ہے اور علم ناطق حقیقی بھی یہی ہے کہ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا
یعنی قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر تھم تھم کر پڑھو۔ چنانچہ رموز و اوقافِ قرآن
سے اس کی تلاوت کے آداب ظاہر و باہر ہیں۔ بالخصوص حرف مَد اور
لَین کی اہمیت سے قاری واقف ہے کہ اس میں کہاں کہاں اتار چڑھاؤ
ہیں اور اس حقیقت سے کسی کو انکار بھی نہ ہوگا کہ فن موسیقی میں تمام
اتار چڑھاؤ کو ہی دخل ہے جیسے موسیقی میں زیر و بم بھی اتار چڑھاؤ کیلئے ایک اصطلاح ہے۔ مولانا شبلی نے سیرت النبی کی جلد اول
میں لکھا ہے کہ مسجد نبوی ؐ کی تعمیر میں صحابہ پتھر اٹھا کر لاتے اور رجز پڑھتے
جاتے آپ ؐ بھی ان کے ساتھ آواز ملاتے۔ اس واقعہ کے علاوہ اور بھی

احادیث سے جواز سماع کا اثبات ہو جاتا ہے جیسے حضرت عائشہ رضؓ سے روایت

ہے کہ" میرے والد ابوبکر رضؓ میرے یہاں آئے یہ وہ دن تھے جن دنوں حاجی منیٰ

پر جاتے ہیں میرے یہاں انصار کی دو لڑکیاں تھیں جو دف بجا کر گا رہی تھی

.... نبی صلعم اپنی چادر لپیٹے ہوئے لیٹے تھے میرے والد نے گانے والیوں کو

ڈانٹا بخاری کی ایک۔ اور روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر رضؓ نے ان سے کہا کہ

"کیا شیطان کا باجا رسول اللہ کے گھر میں بجاتی ہو۔" یہ سن کر حضور صلعم

نے منھ کھول دیا اور فرمایا" ان کو چھوڑ دو آج کل تو عید کے دن ہیں اور یہ

ہماری عید ہے" گویا یہاں حضور ؐ نے سماع سے منع کرنے والوں کو منع فرمایا ہے

ایک اور حدیث میں ربیع بنت مسعود سے روایت ہے کہ" میں جب

بیاہ کر کے خاوند کے گھر آئی تو حضور صلعم میرے پاس تشریف لائے اور میرے بچھونے پر بیٹھ گئے جو چھوکریاں ہمارے یہاں تھیں انہوں نے دف بجانا اور گانا شروع کیا اور ہمارے باپ دادا جو جنگ میں شہید ہوئے ان کی شجاعت کے اشعار گائے ایک بول اٹھی کہ "ہم میں وہ نبی ہے جو کل کی بات جانتا ہے"۔ حضور صلعم نے فرمایا یہ نہ کہو تم جو پہلے گا رہی تھیں وہی گاؤ۔ (بخاری)

اس حدیث میں حضور صلعم کا فرمانا "جو پہلے گا رہی تھیں وہی گاؤ" اس سے یہ بات صاف ظاہر ہے کہ حضور نے گانے کو ان کے مذاق طبع پر چھوڑ دیا، اور انھیں آزادی دے دی تم میری خاطر اپنے ذوق کو نہ بدلو۔

ایک اور دوسری حدیث میں حضرت انس رضؓ سے روایت ہے کہ حضور صلعم مدینہ میں کسی گلی سے نکلے وہاں بنو نجار کی لڑکیاں دف لیئے گا رہی تھیں کہ "محمد (صلعم) ہمارے نگہبان اور ہمسایہ ہیں۔ حضور صلعم نے فرمایا اللہ جانتا ہے میں تم سب کو چاہتا ہوں (ابن ماجہ)

یہاں اس حدیث سے بنو نجار کی لڑکیوں کے گانے پر حضور صلعم کی پسندیدگی بھی ظاہر ہو رہی ہے کہ آپ نے انعام میں اپنی چاہت انہیں سرفرانہ فرمادی۔

حدیث ابو داؤد میں ہے کہ ایک عورت نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ صلعم

میں نے نذر مانی تھی کہ جب آپ جہاد سے واپس تشریف لائیں تو میں دف بجاؤں گی۔ بخاری میں ہے کہ اس نے دف بجا کر یہ شعر گایا:

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع

وجب الشکر علینا مادعا للّٰہ داع

یہاں اس حدیث سے کسی خاص تقریب کے موقع پر انعقاد سماع کا جواز ثابت ہے۔ نسائی کی حدیث میں ہے کہ حضور صلعم کے پاس ایک عورت آئی آپ نے حضرت عائشہ رضؓ سے پوچھا کیا تم اس کو جانتی ہو۔ انہوں نے کہا "نہیں" آپؐ نے فرمایا یہ فلاں قوم کی لونڈی ہے۔ پھر فرمایا کیا تم گانا سننا چاہتی ہو انہوں نے کہا "ہاں" پھر آپ کے ارشاد پر اس عورت نے حضرت عائشہ کو گانا سنایا۔

اس حدیث میں گانے پر حضور کی فرمائش کا اثبات اور دوسروں کو گانا سنانے کا رجحان بھی ظاہر ہو رہا ہے اور یہ ایسے وقت کی بات ہے جب کہ کوئی خاص تقریب بھی وہاں مسرت وشادی کی قسم سے نہ تھی۔

غرض جواز سماع پر کئی احادیث سے اثبات ہو رہا ہے اور مولانا شاہ عبدالحق محدث دہلوی کے الفاظ سے بھی یہ ثابت ہے کہ سماع حرام ہونے کی بابت کوئی نص صریح یا صحیح حدیث وارد نہیں ہوئی جو حدیثیں بیان کی جاتی ہیں وہ موضوع یا مطعون یا ضعیف ہیں (بحوالہ مدارج النبوۃ؛

مگر بعض حضرات نے سماع کے حرام ہونے پر جو دلیل پیش کی ہے وہ پارہ ۲۱ سورۂ لقمان کی یہ آیت ہے:

ومن الناس من یشتری لھو الحدیث یضل عن سبیل اللہ بغیر علم (پ ۲۱). یعنی بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو ہنسی کھیل کی بات کو اختیار کر لیتے ہیں تاکہ علم کے بغیر خدا کے راستے سے گمراہ کریں اور اُسے ہنسی بنائیں تو ان کے لیئے ذلت کا عذاب ہے۔

عدم جوازِ سماع پر یہ آیت کوئی قطعی حجت نہیں ہے کیوں کہ اس کا شانِ نزول ہی دوسرا ہے۔ بلکہ سیدھے سادھے ترجمہ سے تو نتیجتاً یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ کھیل کود کی بات اختیار تو کی جا سکتی ہے جب کہ دین میں اس سے کوئی گمراہی پیدا نہ ہو۔ اور نہ آیاتِ الٰہی سے تمسخر ہو گویا لہو الحدیث صرف تفریح طبع کے لیئے رہے چنانچہ اسی لئے حضور صلعم نے "لہو" کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ یعنی اس سے یہ پتہ چلا کہ اگر "لہو الحدیث" حرام ہی ہے تو پھر یہ "حدیث لہو" کیوں ہے جیسا کہ بخاری میں ہے حضرت عائشہ رضی سے روایت ہے کہ انصار کی قوم میں ایک عورت بیاہی گئی تو آپ نے حضرت عائشہ رضی سے فرمایا "کیا تمہارے پاس "لہو" نہیں ہے کیوں کہ انصار کو "لہو" اچھا معلوم ہوتا ہے (یہاں "لہو" سے مراد وہ گانا ہے جس میں دف بھی بجایا جائے) یہاں اس واقعہ

سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ حضور صلعم رخصتِ سماع و نغمہ عطا فرما رہے ہیں اور اس طرف یاد دہانی بھی فرما رہے ہیں۔

اس پر بھی اگر کسی کو اپنی بد ذوقی کی سلامت روی پر ہی ناز ہو تو اور بات ہے البتہ وہ مقدس نفوس جنھوں نے اپنی کسی خاص مصلحت سے سماع نہ سنا ہے تو یہ ان کے رموز باطن ہیں جن پر ہماری دسترس نہیں۔

مگر صحابہ کے دور میں عشرۂ مبشرہ کا بڑا حصہ یعنی خلفائے راشدین اور حضرت ابو عبیدہ رض بن الجراح، حضرت سعد بن ابی وقاص رض کے علاوہ حضرت اسامہ بن زید رض حضرت عبداللہ رض بن عمر، حضرت حسان رض بن ثابت وغیرہ اصحاب کرام کا گانا سننا ثابت ہے جیسا کہ علامہ ابن جوزی نے سیرۃ العمر میں حضرت عمر رض کے گانا سننے کا واقعہ بیان کیا ہے۔

کتاب احقاق السماع میں مولانا عبدالباری فرنگی محل نے گانا سننے والوں میں جن صحابہ و تابعین کے نام دیئے ہیں ان میں مشہور تابعی حضرت قاضی شریح بھی شامل ہیں۔

صحابہ کے نام تقریباً اوپر بیان کیے جا چکے ہیں حضرت مولانا عبدالحق محدث دہلوی رح نے بھی آئمہ اربعہ کے سماع سننے کے واقعات مدارج النبوت میں تحریر کیئے ہیں چنانچہ حضرت امام شافعی کے تعلق سے لکھا ہے کہ آپ راگ سننے کو جائز مانتے تھے۔ حضرت امام احمد حنبل رح کے متعلق لکھا ہے کہ

آپ نے اپنے صاحبزادہ صالح کے یہاں اُن سے پوشیدہ ہو کر جب وہ گانا سن رہے تھے، گانا سنا ہے۔ چنانچہ حضرت امام کے صاحبزادے فرماتے ہیں کہ "مجھے پاؤں کی آہٹ معلوم ہوئی میں بالاخانہ پر پہونچا دیکھا تو والد تشریف رکھتے ہیں اور وہاں گانا سن رہے ہیں اور تنغا کے نیچے دامن دبا ہوا ہے پھر ٹہلنے لگے اس طرح کہ گویا وجد میں ہیں۔" (بحوالہ مذکورہ)

حضرت امام مالک رح کے تعلق سے لکھا ہے کہ "ابراہیم بن سعید بیان کرتے ہیں کہ کسی کے یہاں دعوت تھی وہاں تقریب میں بہت سے باجے تھے گانا ہو رہا تھا حضرت امام مالک دف بجا رہے تھے اور گا رہے تھے۔"

بات یہ ہے کہ یہ ذوق ہی کچھ ایسا ہے کہ اس سے مفر ذرا مشکل ہی ہے اور جو بزرگانِ دین اس خصوص میں محتاط رہے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ دراصل اپنے جذبات کو اندر ہی اندر دبائے ہوئے تھے کہ کہیں ان کی تقلید میں لوگ سماع کے حدِ جواز سے متجاوز نہ ہو جائیں ورنہ نفسِ سماع سے محض تنفر یا صرف انکار کسی بھی بزرگ سے ثابت نہیں۔ مولانا اشرف علی تھانوی التکشف کے صفحہ ۳۹۶ پر سماع چشتیہ کے تحتِ عنوان دو حدیثیں اور ان کا ترجمہ لکھنے کے بعد فرماتے ہیں کہ "اہل حق کے دونوں گروہ اہل سماع وغیر اہلِ سماع کے ان دونوں عمل کا منشاء صحیح ہے ایک پر شوق غلبہ ہے دوسرے پر احتیاط کا غلبہ۔ جب تفریح اسماع جسیمہ ایک درجہ تک

مرحص فیتہ ہے تفریح اسماع روحیہ کسی درجہ تک کیوں نہ ماذون ہوگی۔"

حضرت امام غزالی رح فرماتے ہیں کہ جس کے جذبات میں سماع سے تحریک نہ ہو وہ ناقص ہے اور روحانیت سے دور ہے (احیاء العلوم)

اور جو صوفیا کہ سماع کی تائید میں ہیں ان کا کیا کہنا کہ اصل میں سارا طوفان نغمہ تو ان ہی کے مجہر وجود سے ہے۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رح تو سماع کی روح رواں ہیں ان کے علاوہ شیوخ سلاسل قادریہ، نقشبندیہ، سہروردیہ، سب ہی جوازِ سماع پر ساکت ہیں۔ حضرت غوث الاعظم دستگیر رض کے تعلق سے بھی بعض حوالوں سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ اس خصوص میں بَیْنْ بَیْنْ رہے ہیں اور ویسے آپ جس مذہب امام کے پیرو ہیں وہ خود بھی گانا سن چکے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ مسند میں آپ نے ایک حدیث بیان فرمائی ہے کہ

حبشی حضور صلعم کے سامنے دف بجاتے، رقص کرتے اور گاتے تھے کہ "محمد (صلعم) خدا کا اچھا بندہ ہے۔"

اسی طرح اور جن لوگوں نے سماع میں احتیاط برتی ہے تو اس سے بھی کسی طرح انکار مراد نہیں ہو سکتا۔ حضرت جنید بغدادی رح سے جب کسی نے گانا سُننے کی وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا:

"کس سے سُنو اور کس کے ساتھ سُنو"

حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندی بھی اسی طرح کسی کے استفسار پر جواب دیتے ہیں "نہ انکار می کنم و نہ این کار می کنم"

اور حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رح فرماتے ہیں کہ "السماع رسول الحق" یعنی سماع خدا کا قاصد ہے۔

حضرت شیخ اکبر محی الدین عربی رض فرماتے ہیں کہ سماع کے حرام ہونے کے متعلق کوئی حدیث وارد نہیں ہے۔ اگر موقع سے سننا پڑے تو سن لینا جائز ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی رح فرماتے ہیں "سماع و وجد جماعت را نافع است کہ بتقلب احوال متصف اند" .... ہر زماں بمدد سماع ایشاں را عروج بمنازل قرب میسر میشود" (مکتوب جلد اول)

ان حضرات صوفیہ کے بعد اب فقہا کا قولِ فیصل بھی جواز سماع کے حق میں ہے۔ مولانا مجدد الدین صاحب قاموس نے سفر السعادت میں لکھا ہے کہ "در باب ذم سماع حدیث صحیح وارد نہ شد" یعنی منعِ سماع پر کوئی صحیح حدیث وارد نہیں ہے

کتاب دستور القضاۃ، فتاویٰ فقہ حنفیہ میں قاضی ابن رشید تبریزی نے لکھا ہے "من انکر السماع مجملاً فقد انکر علی تبعین مدلیقا"

مشہور فاضل محدث امام ابن حزم نے صرف سماع بلکہ مزامیر کو بھی جائز و مباح بتایا ہے۔

حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رح نے فتاویٰ "وسلیۃ النجاۃ" میں لکھا ہے "جواب سوال ثامن آنکہ قال السرخی فی البدیع والسماع فی اوقات السرور تاکید السرور مباح ان کان ذالک السرور مباحاً کالغناء فی ایام العید و فی العرس و فی وقت مجیٔ الغایب و وقت الولیم والعقبۃ العقیقۃ و عند الولادۃ

جوازِ سماع پر اس قدر کثرتِ شواہد کے بعد مزید کچھ لکھنا مناسب نہیں ہے اور جب کہ خود حضور صلعم کے اس عمل پر فقہا ، محدثین و علمائے شریعت نے اسے مباح قرار دیا اور آئمہ مذاہب نے بھی کبھی کبھی عملاً سماع سن کر اتباعِ سنت کا حق ادا فرمایا اور خود صحابہ کرام جن کا اوپر تذکرہ ہو چکا ہے وہ بھی اس مشغلہ لطیف کی طرف مائل رہے ہیں چنانچہ نسائی میں ہے " ابن کعبؓ اور ابو مسعودؓ انصاری لڑکیوں کا گانا سن رہے تھے کہ اتنے میں عامر بن سعید تابعی آگئے اور انہوں نے کہا کہ " آپ اصحاب بدر اور یہ گانا " انہوں نے کہا تمہارا جی چاہے تو تم بیٹھ کر سنو رسول اللہ صلعم نے تو شادی بیاہ کے موقع پر ہم کو اس کی اجازت دی ہے " یہاں اس واقعہ میں اصحاب بدر کا بوقت سماع ایک تابعی کے اعتراض پر جواب دینا اور اسی شغل کو جاری رکھنا جوازِ سماع پر کھلی دلیل ہے ۔ اب رہا یہ سوال کہ آیا سماع میں مزامیر کا استعمال جائز ہے یا نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایک دفعہ حضور صلعم نے ابو موسیٰ اشعری کے شعر پڑھنے پر یہ فرمایا ہے " لقد اوتی ھذا مزماراً من مزامیر ال داؤد " جب ابی موسیٰ کو معلوم ہوا تو انہوں نے عرض کیا کہ " یہ معلوم ہوتا کہ آپ سنتے ہیں تو میں آواز کو خوب ہی بنا کر پڑھتا " ایک اور حدیث میں ہے کہ پہلی آل داؤد کی مزمار عطا کی گئی ہے " (بخاری)

لہذا مزمار کا جواز بھی اس حدیث سے ثابت ہو چکا اس کے علاوہ حضور کا دف پر گانا سننا بھی ثابت ہی ہے اس لحاظ سے کسی ساز یا آلۂ طرب پر گانا سننے کی اصل ثابت ہو ہی گئی پھر اگر آج موجودہ سازوں پر گانا سنا جائے تو کب ناجائز ہوا کہ اس دورِ ترقی میں بہت سی پرانی چیزوں نے نیا روپ لے ہی لیا ہے جیسے پچھلے

زمانے کے چراغوں کی جگہ اب برقی قمقموں اور ٹیوب لائٹس وغیرہ نے لے لی ہے اور پچھلے زمانے کی سواریوں جیسے ہاتھی اونٹ گدھے اور گھوڑا گاڑیوں کی جگہ اب ریل، سائیکل موٹر اور ہوائی جہاز نے لے لی ہے اس پر بھی اگر کسی کا ذوق طبعی آبائی بلکہ اجدادی ہو تو وہ موٹر جیسی تیز شاندار اور عزت دار سواری کو چھوڑ کر بخوشی گدھے کی پیٹھ پر لد سکتا ہے یہ اس کے حصہ کی بات ہے "لها ما كسبت وعليها ما اكتسبت[۲۸]" اور جو ہوائی جہاز اور موٹر جیسی چیزوں کا طلبگار رہے تو اس کیلئے خدا کا ارشاد یہ ہے "نصيب برحمتنا من نشاء ولا نضيع اجر المحسنين" (۱۳) یعنی ہم جس پر چاہتے ہیں اپنی رحمت سے حصہ دیتے ہیں ہم اچھے لوگوں کا اجر ضایع نہیں کرتے۔ پس اگر آج دف کی جگہ دوسرے ساز ظہور پا چکے ہوں تو ان کے امتناع پر کون سی نصِ قطعی ہے غرض نفس سماع و مزامیر کے عدمِ جواز پر کوئی حجت قاطع نہیں ہے بلکہ نہ سننے میں مخالفتِ سنت کا احتمال ہے بشرطیکہ نیت چنانچہ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص دف کے ساتھ گانا سننے کو حرام کہے اس نے آنحضرتؐ کے فعل سے انکار کیا (احیاء العلوم) بات تو یہ ہے کہ خوش آوازی اللہ کو بھی پسند ہے۔ حق تعالیٰ جو خالقِ صوتیات ہیں اچھی اور بری آواز کا امتیاز کرواتے ہیں۔ "ان انكر الاصوات لصوت الحمير" (۱۹/۲۱) یعنی آوازوں میں سب سے ناپسند آواز حقیقت میں گدھے کی ہے۔ بس اسی آیت پر اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آواز کی کیا اہمیت ہے اور حکم رسالتؐ بھی ہے کہ قرآن کو اپنی خوش آوازی سے زینت دو (ابن ماجہ)۔ حدیث کے اسی ارشاد کی روشنی میں اگر سماع میں خوش آوازی کو بڑھانے اور اس میں صحت و اعتدال کو برقرار رکھنے کے لیئے مزامیر یا ساز کا استعمال بطور امداد تائید کیا جائے تو کیا قباحت ہوئی۔

یہ تو خیر استعمال مزامیر پر ایک عقلی دلیل تھی لیکن خود حضور صلعم کا ارشاد ہے کہ

حلال اور حرام کا فرق دف اور آواز سے ہوتا" (ترمذی) یہاں حلال وحرام سے نکاح و زنا مراد ہے مطلب یہ ہے کہ بموقع شادی بیاہ اس کا استعمال جائز ہے تاکہ لوگوں کو شادی کی تقریب کا پتہ چل جائے مگر لفظی معنی کے اعتبار سے اس حدیث کا استشنادہ عام ہو جاتا ہے کہ جہاں بھی گانا بجانا ہوگا لوگ اس کی نوعیت سے اچھے برے کا امتیاز خود ہی کر لیں گے۔ مثال کے طور پر اگر کسی بیاہ کی تقریب میں مردانہ محفل میں کسی عورت کا گانا ہونے لگے تو قریب پہونچ کر سننے والا اتنا تو جان ہی لے گا کہ یہاں ایک جائز کام کے ساتھ ناجائز فعل بھی ہو رہا ہے۔ حالانکہ بہ اعتبار حدیث حلال وحرام کے امتیاز کے لئے گانا رکھا گیا ہے لیکن جب اس کی نوعیت اصل کے بالکل برعکس ہو گئی ہو تو وہ قطعاً ناجائز ہے اور موجب گناہ ہے اور اس لحاظ سے حلال وحرام میں امتیاز کرنے والا گانا بھی حرام ہی ہوا لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ وہ گانا جو حدود جواز اور محل جواز میں ہو اور اس میں خدا اور رسول کے تعلق سے حمد ونعت ومنقبت یا ایسی غزلیں ہوں جن میں بزرگوں سے نسبت وعقیدت کا اظہار اور تصوف کا بیان ہو تو حظ روحانی کے لئے بطور لھو الحدیث جائز ہے اور اس طرح یہ لھو الحدیث ان کے حق میں ایک ایسی احسن حدیث ہو جاتی ہے کہ جس میں تکرار الفاظ ومعانی کی وجہ سے ان پر ایسا عالم وجد کیفیت طاری رہتا ہے کہ روح میں بالیدگی اور قلب میں خشیت پیدا ہو جاتی ہے قرآن شاہد ہے اللہ انزل احسن الحدیث کتاباً متشابھاً مثانی تقشعر منہ جلود الذین یخشون ربھم ثم تلین جلودھم وقلوبھم الی ذکر اللہ ۲۳ یعنی اللہ نے ایک ایسی اچھی بات نازل فرمائی ہے جو کتاب ہے بار بار دہرائی جانے والی کہ اس سے ان لوگوں کے دل کانپ اٹھتے ہیں جو اپنے رب سے خشیت رکھتے ہیں اور اللہ کے ذکر کی وجہ سے ان میں جب قلبی

اضمحلال پیدا ہو جاتا ہے اس لئے کہ یہاں سننے والوں کی نظر کسی ساز کی لَے پر نہیں بلکہ اس معنی راز در راز پر ہوتی ہے جو حرف و صوت میں چھپے ہوئے ہیں اور اس طرح ان کی نگاہ حدود ساز و صدا سے بہت دور نکل جاتی ہے اور ان کا ذوق سماع اس معراجِ کمال پر پہنچ جاتا ہے کہ وہ مولانا روم کے الفاظ میں بوقت سماع جنت کے دروازوں کے کھلنے کی آواز کو سن پاتے ہیں کیونکہ "پتھر کی رگڑ سے جس طرح چنگاری ظاہر ہوتی ہے اسی طرح موزوں اور اچھی آواز دل کے بھیدوں کو حرکت میں لاتی ہے" (امام غزالیؒ) پس اگر ان اعتبارات کے ساتھ سماع ہو تو وہ جائز ہے ورنہ عام جلسوں میلوں کثیر الجمع عرسوں یا دیگر تقاریب میں کھلے طور پر سماع اس لئے مناسب نہیں ہے کہ اس میں لوگ کھیل تماشوں کی غرض سے شریک ہوتے ہیں آداب و شرائط سماع ملحوظ نہیں ہوتے اس لیے من مانے طور پر آتے بیٹھتے اور جاتے ہیں نہ صاحبِ مجلس ہی باوضو ہوتے ہیں اور نہ اکثر سامعین و گانے والے ہی باطہارت ہوتے ہیں۔ بالعموم جو سماع یا قوالی عرس کے موقعہ پر ہوتی ہے قوال پسند عوام کو ملحوظ رکھتا ہے خود اسے بھی حمد و منقبت و تصوف کے مضامین سے کوئی غرض نہیں ہوتی بلکہ آج کل تو شاعری کی طرح قوالی میں بھی سیاسی رنگ آچکا ہے یا اگر کسی صاحبِ مزار و بزرگ کی عقیدت میں قوال گاتا بھی ہے تو اس میں اتنا غلو ہو جاتا ہے کہ صاحبِ مزار کو نعوذ باللہ خدا کا شریک بنا دیا جاتا ہے لہذا عرسوں کو سجادگان، مشائخین یا متولیانِ درگاہ اور ان کی عدم موجودگی میں مجلس وقف کے اراکین کو چاہیئے کہ وہ ایسی محفل سماع کو قطعاً رواج نہ دیں کہ اس میں معصیت ہی معصیت اور شر ہی شر ہے۔ اور وہ سماع بھی ناجائز ہے جہاں بجائے کثیر اہلِ طریقت کے اکثر اہل اقتدار، اہل غرور شریک اور ایسے ہی خصوصی لوگوں کیساتھ سماع کا ڈرامہ اسٹیج ہوتا ہے جہاں نہ گانے والا سمجھ سکے وہ کیا پڑھ رہا ہے اور نہ سننے والے اور صاحبِ محفل ہی

جان سکیں کہ اس میں کیا رموز پنہاں ہیں جن سے آج ہم بدنصیب فہم محروم ہیں البتہ ایسے مواقع پر خصوصی محفل منعقد ہو جہاں حسب شرائط سماع مناسب رہے۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی مرید اپنے مرشد کیساتھ محفل سماع میں گانا سنے تو اس کو جائز ہے اس لئے حضورؐ کا ارشاد ہے وہ ایسی جماعت ہے کہ ان کے ساتھ بیٹھنے والا محروم نہیں رہتا" اور جب سب ہم مشرب اور اہل طریقت جمع ہوں تو وہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کے الفاظ میں تفریح اسماع روحیہ کیلئے کچھ دیر گزار دیں تو جائز ہے۔

بدعاتِ سیئہ

وَمَن جَآءَ بِالسَّیِّئَةِ فَلَا یُجْزٰی اِلَّا مِثْلَھَا وَھُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ (یعنی جو برائی کرتا ہے تو اسے صرف اسی کے موافق سزا دی جاتی ہے اور ان پر ظلم نہیں کیا جاتا۔) ذیل میں عامتہ المسلمین کے ان اعمال کی فہرست دیجاتی ہے جو بدعت سیئہ اور ضلالہ کی تعریف میں داخل ہیں کہ انکا کرنا موجب گناہ اور معصیت ہے:

شادی کی ابتدا بی بی کی صحنک سے کرنا بچوں کے سروں پر کسی بزرگ کے نام سے چوٹی چھوڑنا، حاجیوں اور دولہا دلہن کو امام ضامن باندھنا، جلوہ کی رسم کرنا، علم تعزیہ، شدے، پنجے، حضرت محبوب سبحانی کے نام کے جھنڈے، حضرت خواجہ صاحب کے نام سے چھلے قائم کرنا، محرم میں تعزیہ بنانا، دس محرم تک گوشت نہ کھانا، ان دنوں دلہن کو الگ رکھنا، ماہ صفر کو منحوس سمجھنا، آخری چہار شنبہ منانا، حضرت امام جعفر صادق کی فاتحہ میں کھیر پوریاں، کونڈے ہی کو ضروری سمجھنا، اور ان چیزوں کو گھروں سے باہر نہ نکالنا قبر میں قرآن یا عہد نامہ رکھنا، عرس رسوم کے ساتھ کرنا، قبر پر صندل مالی کرنا، قبر کو غسل دینا، غلاف چڑھانا، عرضی باندھنا، قبر کا طواف کرنا، قبر کو سجدہ کرنا، قبر کو چومنا، پائیں قبر پر سر رکھنا، جھولے چڑھانا، درگاہوں میں لڑکیوں یا عورتوں کا نہانا، مزار پر

قوالی کرنا، عرس میں مینا بازار یا میلہ کرنا، صندل اور مالیدے کی کشتیاں سروں پر رکھ کر شامیانے اور باجوں گاجوں کیساتھ جانا، عرسوں میں آتش بازی، مشاعرہ اور اسپورٹس وغیرہ کا اہتمام کرنا کسی جلسہ عرس کا افتتاح کسی غیر مسلم کے ہاتھوں کرنا، ساچق، مہندی ابٹنے کی رسمیں کرنا گھوڑے جوڑے کی رقم کا ٹھہراؤ بعض مقامات پر آثارِ مبارک کو باقاعدہ غسل دینا، درگاہوں پر دہلیز یا زنجیر کو بوسہ دینا حضرت محبوب سبحانی کے نام سے مہندی کا اٹھانا کسی امر جائز مباح اور مستحبہ کو لازمی اور ضروری قرار دینا جیسے ہر نماز کے بعد فاتحہ پڑھنا یا مصافحہ کرنا وغیرہ۔

حرفِ آخر

خاتمہ کتاب پر چند باتیں مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کے ملفوظات سے حرف آخر کے طور پر پیش کی جاتی ہیں تاکہ مستحبہ اعمال امور مباحات اور بدعت حسنہ کو اچھی طرح سمجھ لیا جاسکے یہ ملفوظات "کتاب الافاضات الیومیہ" سے ماخوذ ہیں ملاحظہ ہوں:

حقیقتِ بدعت" بدعت کی حقیقت تو یہ ہے کہ اس کو دین سمجھ کر اختیار کرے اگر معالجہ سمجھ کر اختیار کرے تو بدعت کیسے ہو سکتا ہے پس ایک احداث للدین ہے اور ایک احداث فی الدین ہے۔ احداث للدین معناً سنت ہے اور احداث فی الدین بدعت ہے یہ کیا ضروری ہے کہ جو آپ کے فتوے میں بدعت ہے وہ عند اللہ بھی بدعت ہو یا تو علمی حدود کے اعتبار سے ہے، باقی عشاق کی تو شان ہی جدا ہوتی ہے ان کے اوپر اعتراض ہو ہی نہیں سکتا۔ خصوص میں جب کہ حالتِ غلبہ کی وجہ سے وہ معذور بھی ہوں مگر ایسا ہر وقت نہیں ہوتا اسی لیئے دیکھنا یہ ہے عادتِ غالبہ کیا ہے اگر عادتِ غالبہ اتباع سنت ہے اور پھر غلبہ حال کی وجہ سے کوئی ایسی بات بھی ہوجائے کہ جو بظاہر لغزش سمجھی جاسکے اس میں تاویل کریں گے اور اگر عادتِ غالبہ خلاف سنت ہے وہاں تاویل نہ کریں گے معیار یہ ہے ؎

اوست دیوانہ کہ دیوانہ نہ شد ٭ ہر عمل را دید و در خانہ نہ شد
ما اگر قلاش دگر دیوانہ ایم ٭ مستِ آں ساقی وآں پیمانہ ایم

ایسے بدعتیوں کو آپ دیکھیں گے کہ وہ جنت میں پہلے داخل کیئے جائیں گے اور لوگ پیچھے جائیں گے؟ چنانچہ اسی دیوانگی و محبت میں بے ساختہ حضرت موصوف سے یہ باتیں بھی تعظیم آثار مبارک کے تعلق سے نکل ہی گئیں کہ دل کا حال کسی طرح چھپائے نہیں چھپ سکتا۔ فرماتے ہیں" بعض جگہ اس کی رسم ہے کہ جبّہ شریف آنحضرتؐ کے ہمراہ لوگ ننگے سر اور پا برہنہ پھرتے ہیں اس سے عوام کے عقائد بگڑ جانے کا اور غلو کا اندیشہ ہے ورنہ وہ اپنی ذات میں ایسی بزرگ و محترم چیز ہے کہ سر کے بل چلنا بھی کم ہے۔ مگر ایسی باتیں انتظام شریعت کے خلاف ہیں لہذا اجتناب ضروری ہے"۔

غرض وہ امور جن کا تعلق اعمالِ دینی میں بالواسطۂ قرب ہو اور ان کی اصل کبھی کتاب و سنت سے ثابت ہو تو ان کی افادیت، اہمیت اور ضرورت سے انکار نہیں کیا جاسکتا اور اسی لیئے ایسے اعمال صالحہ کو بدعتِ حسنہ سے تعبیر کیا جاسکتا ہے یا حضرت مولانا قاسم نانوتوی کے الفاظ میں اس بدعت کو ملحق بہ سنت بھی کہا جاسکتا ہے (بحوالہ سوانح عمری حضرت مولانا قاسم نانوتوی مرتبہ مولانا مناظر احسن گیلانی) چنانچہ حضرت موصوف کے تعلق سے مرتب کتاب کے بیان سے واضح ہوتا ہے کہ وہ بھی زیارتِ تبرکہ، توسل میلاد وغیرہ کے جواز پر ساکت تھے اور کبھی کبھی مستعمل بھی۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رح تے اعمالِ تصوف پر روشنی ڈالتے ہوئے اپنے ملفوظات میں فرمایا ہے کہ" عادةً بدون معالجہ بدنی کے جیسے ظاہر زندگی مشکل ہے ایسے ہی باطنی زندگی بھی بدون باطنی معالجہ کے دشوار ہے اس معالجہ کے جسقدر طرق ہیں وہ سب تدابیر کا درجہ رکھتے ہیں خود قربات نہیں، ان تدابیر سے داعی الی الشر کو منکسر کرنا اور مطیع بنانا ہے جب یہ معلوم ہوگیا تو اب بتلایئے

ان کے متعلق کیا اعتراض رہا کیا جو چیزیں داعی الی الشر نہیں ان کے توڑنے اور ختم کرنے کی ضرورت نہیں ان تدابیر کو خود بلا واسطہ قرب میں دخل نہیں ہاں بالواسطہ قرب کے اسباب ہیں سو ان کو عبادت مقصودہ سمجھنا بے شک درست ہے اور جو معالجہ کہہ کر کر بدعت کیسے ہو سکتا ہے اسکی مثال مسہل کی سی ہے ...... الخ مستحبہ اعمال امور مباح بدعتِ حسنہ پر اسقدر توضیح کے بعد اب بدعتِ سیئہ کے تعلق سے بھی یہ بات واضح رہے کہ جس کی اصل کتاب وسنت سے نہ ہو وہ بدعتِ سیئہ ہے اور یہ اعمال قطعاً مشابہ بت پرستی اور شرک عملی ہیں لیکن ایک عامی مسلمان کے نزدیک یہ اعمال کبھی داخلِ عقیدہ نہیں ہیں اسی لیئے ایسے شخص کو کافر یا مشرک سمجھنا صحیح نہیں کیوں کہ وہ مرتکب گناہ کبیرہ ہو کر مستحق سزا و عذاب تو ضرور ہے لیکن خارجِ دینِ اسلام نہ ہونے کی وجہ سے بالآخر بہ اعتبار شفاعت محمدیہؐ حامل نجات ضرور ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس قسم کے اعمال عقائد میں مسلمان اپنے احدی پن سے مبتلا رہ کر غفلت دینِ متین کو دھکا پہنچاتے رہیں نہ خود رکیں نہ سمجھدار لوگ ان کو روکیں کہ بہ اعتبار قرآن کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنہون عن المنکر سب ہی مسلمان اچھے کاموں کے کرنے کرانے اور برے کاموں سے بچنے اور بچانے کے لیئے پیدا ہوئے ہیں اور بالخصوص مشائخ اور علماء تو کبھی اس فرض سے سبکدوش ہو ہی نہیں سکتے جیسا کہ قرآن کی تاکید ہے لولا ینھاھم الربانیون والاحبار یعنی مشائخ اور علماء ایسے لوگوں کو کیوں نہیں منع کرتے غرض بدعت حسنہ اور بدعتِ سیئہ کے اس امتیاز کے بعد خذ ما صفا ودع ما کدر کے بمصداق ہر صاحب فکر مسلمان کو آزادیٔ خیال حاصل ہے۔

وما علینا الا البلاغ

بعض اہم اقتباسات

ذیل میں ملک کے مشاہیر علماء کی تصانیف سے لیئے گئے چند اہم اقتباسات پیش ہیں:

معیارِ حرام و حلال

صحیح حدیث میں وارد ہوا کہ ما احل اللہ فھو حلال وما حرام اللہ فھو حرام وما سکت عنہ فھو مما عفا (ابوداؤد) وغیرہ یعنی جن چیزوں کو خدا نے حلال فرما دیا وہ حلال ہیں اور جن چیزوں کو حرام فرما دیا وہ حرام ہیں اور جن چیزوں سے سکوت فرمایا وہ عفو و مباح ہیں۔" اسی نورانی حدیث کی روشنی میں اہلِ حق نے یا اصولِ دین مقرر فرمایا کہ ہر چیز کی اصل اباحت و صحت ہے حرمت یا کراہت کے لیئے دلیل شرعی کی ضرورت ہے چنانچہ علامہ علی مکی فرماتے ہیں۔ من المعلوم ان الاصل فی کل مسئلہ ھو الصحۃ الی واما القول بالفساد والکراھۃ یحتاج الی حجۃ (امادات رضویہ) یہ بات سب کو معلوم ہے کہ اصل ہر مسئلہ میں صحت (درست و مباح) ہونا ہے ہاں البتہ کسی چیز کو حرام و مکروہ کہنے کیلئے دلیل کی ضرورت ہے۔

اسی طرح مسلم الثبوت میں ہے: کل ما عدم فیہ المدرک الشرعی للحرج فی فعلہ ترکہ فذالک عندک شرعی الحکم الشارع بالتخییر۔ ہر وہ مسئلہ اس کے کرنے یا نہ کرنے کے متعلق کوئی دلیل شرعی نہ وارد ہو تو یہ دلیل شرعی کا نہ وارد ہونا ہی اس مسئلہ کے جائز و مباح ہونے کی دلیل شرعی ہوگا" حدیث مذکورہ اور تصریحاتِ ائمہ سے واضح ہوگیا کہ کسی چیز کے حلال مباح ہونے کا دعویٰ کرنے والے سے دلیل طلب کرنا جہالت و خبط ہے کیوں کہ حلال و مباح کا دعویٰ کرنے والا اصل کا مدعی ہے اور ظاہر ہے کہ کسی چیز کی علت اباحت ثابت کرنے کیلئے حکومتِ شریعت بھی حجت و دلیل ہے اس کیلئے اور کسی دلیل شرعی کی کیا حاجت ہے؟ ہاں البتہ کسی چیز کو حرام یا مکروہ بتانے والے پر

دلیل پیش کرنا لازم ہے وہ بتلائے کہ شریعت نے کہاں اس کو حرام و مکروہ بتایا ہے؟

علامہ عبدالغنی نابلسیؒ نے اپنے رسالہ "الصلح بین الاخوان" میں فرمایا ولیس الاحتیاط فی الافتراء علی اللہ تعالیٰ باثبات الحرمۃ الکراھۃ الذین لابدلھما من دلیل بل فی الاباحۃ التی الاصل (افادات رضویہ)، اس میں کوئی احتیاط نہیں ہے کہ کسی چیز (مسنون عند) کو حرام و مکروہ بنا کر خدا پر تہمت رکھو کیوں کہ کسی چیز کو حرام و مکروہ کہنے کے لیئے دلیل ضروری ہے بلکہ احتیاط اس میں ہے کہ اس چیز کو مباح کہو کیوں کہ تمام چیزوں کی اصل مباح ہونا ہے۔

قاعدہ مذکورہ بالا قلّت و تربیت کے معرفت کی بہترین کسوٹی ہے۔

تصوّرِ شیخ

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے ایک مکتوب سے

○ بلا تکلف تصور شیخ کا حاصل ہو جانا یہ پیر و مرید کے درمیان کامل مناسبت کی نشانی ہے جو فائدہ پہنچانے اور فائدہ حاصل کرنے کا ذریعہ و سبب ہے اور رسائی کا کوئی راستہ اس سے زیادہ نزدیک کا نہیں۔

○ حضرت خواجہ احرار قدس سرہ نے فقرات میں ارشاد فرمایا کہ "پیر کا سایہ ذکر الٰہی سے بڑھکر ہے"۔ (مکتوبات جلد سوم مکتوب ۱۸۷)

○ "اگر ذکر کے وقت پیر کی صورت بے تکلف ظاہر ہو جائے تو بھی اس کو قلب کے اندر لے جانا چاہیئے اور دل میں محفوظ رکھ کر ذکر کرنا چاہیئے۔ کیا تو جانتا ہے پیر کون ہے؟ "پیر وہ ہے کہ تو جناب باری جل شانہ تک پہنچنے کا راستہ اس سے حاصل کرتا ہے اور اس راہ میں تو اس کی امداد و استعانت پاتا ہے۔" (مکتوبات ۱۹۰)

○ اذا غاب الشیخ عنہ یجعل صورتہ بین عینیہ بوصف المحبۃ والتعظیم

فتفید صورتہ ما تفید صورتہ ما تفید صحبتہ، جب پیر موجود نہ ہو تو اس کی صورت کا اپنی دونوں آنکھوں کے درمیان محبت و تعظیم کے ساتھ خیال جمائے تو اس کی صورت سے وہی فائدہ پہنچے گا جو اس کی صحبت سے پہنچتا ہے۔

(القول الجمیل : مصنفہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی)

ایصالِ ثواب یا فاتحہ

○ و فی دعاء الاحیاء للاموات و صدقتھم عنھم نفع خلافا للمعتزلۃ

زندہ لوگ اگر مردوں کے لئے دعا کریں یا مردوں کی طرف سے صدقہ کریں تو اس سے مُردوں کو نفع پہنچتا ہے اور اس مسئلہ میں صرف معتزلہ کا اختلاف ہے (شرح عقائد نسفیہ)

○ ان الانسان لہ ان یجعل ثواب عملہ لغیرہ صلاۃ کان او صوما او صدقۃ او غیرھا عند اھل السنۃ والجماعۃ، ہر انسان کیلئے یقیناً یہ جائز ہے کہ وہ کل کا ثواب کسی غیر کو بخش دے، نماز ہو یا روزہ صدقہ ہو یا اس کے علاوہ یہی اہل سنت و جماعت کا مذہب ہے (ہدایہ ص ۲۶۳ الیغر)

طریقہ فاتحہ

کتاب "التشرف" تالیف حضرت اشرف علی تھانوی کا اقتباس۔

○ استفسار پر فرمایا کہ قبر پر فاتحہ پڑھنے میں چند سورتیں جن کی خاص فضیلتیں آئی ہیں ان کو پڑھتا ہوں مثلاً الحمد للہ، قل ہو اللہ احد، اکثر بارہ مرتبہ کیونکہ ایک روایت میں بارہ مرتبہ پڑھنے کی خاص فضیلت آئی ہے الھکم التکاثر، اذا زلزلۃ قل یا ایھا الکافرون، قل اعوذ برب الفلق، قل اعوذ برب الناس، سورہ ملک، سورہ یٰسین ہے فرمایا کہ قبلہ کی طرف پشت کرکے فاتحہ پڑھنا چاہیئے تاکہ مردہ کا مواجہہ ہو ص ۹۰۱

ایک صاحب نے عرض کیا کہ قبر پر جاکر فاتحہ پڑھنے میں کیا مصلحت ہے جہاں سے

پاہے ثواب پہنچایا جاسکتا۔ فرمایا ایک تو یہ کہ قبر پر جاکر فاتحہ پڑھنے سے علاوہ ایصال ثواب کے خود پڑھنے والے کو فائدہ ہوتا ہے کہ وہاں استحضار موت کا زیادہ ہوتا ہے۔ دوسرے باطنی مصلحت یہ ہے کہ مردہ کو ذکر سے اُنس ہو خواہ آہستہ آہستہ پڑھا جائے یا زور سے حق تعالیٰ مردہ کو آواز پہنچا دیتے ہیں یہ بات اولیاء کے ساتھ خاص نہیں بلکہ عام مسلمین بھی سنتے ہیں کیوں کہ مرنے کے بعد روح میں بہ نسبت حیات کے کسی قدر ایک اطلاق کی شان پیدا ہو جاتی ہے اور اس کا ادراک بڑھ جاتا ہے مگر نہ اتنا کہ کوئی ان کو حاضر ناظر سمجھنے لگے تیسرے یہ بھی ہے کہ ذکر کے انوار جو پھیلتے ہیں اس سے بھی مردہ کو راحت پہنچتی ہے ص ۱۹۸ / ۸۲۱

تخصیص فاتحہ

فرمایا کہ ادب یہ ہے کہ کچھ پڑھ کر علیحدہ بھی حضور ؐ کی روح مبارک کو ثواب بخش دیا کرے خواہ کچھ زیادہ ہمت نہ ہو مثلاً تین بار قل ہو اللہ پڑھے ایک کلام مجید کا ثواب پہنچ جائے گا پھر اپنا معمول بیان فرمایا، کہ یہ جو کچھ روزمرہ پڑھتا ہوں اس کا ثواب حضور کو اور تمام انبیاء صلحاء عام مسلمین و مسلمات کو جو مر چکے یا موجود ہیں یا آئندہ پیدا ہوں سب کو بخش دیتا ہوں ...." اور کسی خاص موقع پر کسی خاص مردے کے لئے بھی کچھ پڑھ کر علیحدہ بخش دیتا ہوں۔ ص ۸۲۳

در مختار میں بہ سلسلہ ایصال ثواب باب الدفن میں ہے وفی الحدیث من قرأ الاخلاص ... الخ حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص گیارہ بار سورۂ اخلاص پڑھے پھر اس کا ثواب مُردوں کو بخشے تو اس کو تمام مردوں کے برابر ثواب ملے گا۔

شامی میں ہے ویقرء من القرآن ما تیسر .... الخ یعنی جو ممکن ہو قرآن پڑھے سورہ فاتحہ بقرکی اولی آیات، آیۃ الکرسی آمن الرسول، سورہ یٰسین، جو کچھ میں نے پڑھا اس کا ثواب فلاں یا فلاں کو پہنچا دے۔"

حضرت شاہ عبدالعزیز رح فرماتے ہیں کہ جس کھانے پر حضرت امام حسنؓ امام حسینؓ کے لیئے ایصال ثواب کیا جائے اس پر قل، فاتحہ اور درود پڑھنا باعثِ برکت ہے اور اس کا کھانا بہت اچھا ہے (فتاویٰ عزیزیہ ص۵)، نیز اسی کتاب کے ص۴۱ میں لکھا ہے کہ اگر دودھ مالیدہ کسی بزرگ کیلئے بہ قصدِ ایصال ثواب کھلایا تو جائز ہے کوئی مضائقہ نہیں ہے

میلادِ شریف

میلاد شریف کرنا حضورؐ کی تعظیم ہے جبکہ وہ بری باتوں سے خالی ہو (تفسیر روح البیان سورۃ فتح)، ہم کو حضورؐ کی ولادت پر اظہار تشکر کرنا مستحب ہے (امام سیوطی)

امام ابن جوزی بھی جوازِ میلاد کے قائل ہیں، فرماتے ہیں کہ "میلاد شریف کی تاثیر یہ ہے کہ سال بھر اسکی برکت سے امن رہتا ہے اور اس میں مرادیں پوری ہونے کی خوشخبری بھی ہے"

حضرت مولانا حاجی امداد اللہ رح جو اکثر علماء اور بالخصوص فضلائے دیوبند کے شیخ طریقت ہیں، فیصلہ ہفت مسئلہ" میں فرماتے ہیں" مشرب فقیر کا یہ ہے کہ محفل مولود شریف میں شریک ہوتا ہوں بلکہ ذریعہ برکات سمجھ کر ہر سال منعقد کرتا ہوں اور قیام میں لطف ولذت پاتا ہوں"

اہتمام عرس اور تعینِ تاریخ

تفسیر کبیر میں متعدد صحابہ سے مروی ہے کہ نبیؐ ہر سال کے شروع میں شہدائے احد کی قبروں پر تشریف لے جاتے تھے اور قبروں کے پاس یوں فرماتے تھے" اے اُحد کے شہیدو تم پر سلام ہو کیونکہ تم لوگوں نے صبر کیا ہے" اور" خلفائے راشدین بھی یونہی کرتے تھے" ظاہر ہے کہ نبی صلعم اور خلفائے راشدینؓ کا ایک تاریخ معین پر شہدائے احد کے مزاروں کی زیارت کیلئے تشریف لے جانا اور پھر لطریقِ تعین ہمیشہ اسی تاریخ پر جانا اور ان پر سلام پڑھنا اور ان کے لئے دعا کرنا بعینہٖ عرس مشائخ کا طریقہ ہے

اور حقیقت یہی عرس کی حقیقت بھی ہے جس کے جواز و استحسان پر خیر القرون سے آج تک تمام اہل سنت کا اتفاق ہے (معمولات الابرار)

* حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ مولانا جلال الدین کے موسومہ خط میں لکھتے ہیں "پیروں کا عرس پیروں کے طریقہ سے سماع اور صفائی کیساتھ جاری رکھیں"۔

* حضرت حاجی امداد اللہؒ فرماتے ہیں" فقیر کا مشرب اس امر میں یہ ہے کہ ہر سال اپنے پیر و مرشد کی روح مبارک پر ایصال کرتا ہوں اول قرآن خوانی ہوتی ہے اور گاہ گاہ اگر وقت میں وسعت ہو تو مولود پڑھا جاتا ہے پھر ما حضر کھانا کھلایا جاتا ہے اور اس کا ثواب بخش دیا جاتا ہے" (فیصلہ ہفت مسئلہ)

* فتاویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب البدعات: مولانا رشید احمد گنگوہی متذکرہ تالیف کے صفحہ ۹۲ میں فرماتے ہیں" اہل عرب سے معلوم ہوا کہ عرب شریف کے لوگ حضرت سید احمد بدویؒ کا عرس بہت دھوم سے کرتے ہیں خاص کر علمائے مدینہ منورہ حضرت امیر حمزہؒ کا عرس کرتے رہے جن کا مزار مقدس احد پہاڑ پر ہے غرض کہ دنیا بھر کے مسلمان خصوصاً اہل مدینہ عرس پر کاربند ہیں اور جس کو مسلمان اچھا جانیں وہ عند اللہ بھی اچھا ہے"

دیوبندی حضرات مولانا اشرف علی تھانویؒ اور مولانا عبدالرشید گنگوہی کے پیر و مرشد حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کی مشہور تصنیف" فیصلہ ہفت مسئلہ" میں لکھا ہوا ہے۔

" نفس ایصال ثواب ارواح اموات میں کسی کو کلام نہیں اس میں تخصیص و تعین کو موقوف علیہ ثواب کا سمجھے یا واجب و فرض اعتقاد کرے تو ممنوع ہے اور اگر یہ اعتقاد نہیں بلکہ کوئی مصلحت باعث تقلید ہیئت کذائیہ ہے تو کچھ حرج نہیں جیسا کہ بہ مصلحت نماز میں سورۂ خاص متعین کرنے کے فقہائے محققین نے جائز رکھا ہے تو تہجد میں اکثر مشائخ کا معمول ہے پھر فرماتے ہیں" جیسے کہ نماز میں نیت ہر چند دل سے کافی ہے مگر موافقت

قلب و زبان کیلئے عوام کو زبان سے کہنا بھی مستحسن ہے اگر یہاں زبان سے کہہ لیا جائے کہ یا اللہ اس کھانے کا ثواب فلاں شخص کو پہنچ جائے تو بہتر ہے پھر کسی کو خیال ہوا کہ لفظ اس کا مشارٌالیہ اگر روبرو موجود ہو تو زیادہ استحضار قلب ہو کھانا روبرو لانے لگے کسی کو یہ خیال ہوا کہ یہ ایک دعا ہے اس کے ساتھ اگر کچھ کلام الٰہی بھی پڑھا جائے تو قبولیتِ دعا کی بھی امید ہے اور اس میں کلام کا ثواب بھی پہنچ جائے گا تو جمع العبادتیں ہیں"۔ پھر فرماتے ہیں "گیارہویں حضرت غوث پاکؒ کی دسویں، بیسواں، چہلم، ششماہی سالیانہ وغیرہ اور توشہ حضرت شیخ عبدالحق اور سہ منی حضرت شاہ ابو علی قلندر اور حلواء شب برات و دیگر طریق ثواب کے لیئے اسی قاعدے پر مبنی ہیں"۔

زیارتِ قبور و استمداد

* حضرت حاجی امداد اللہؒ فرماتے ہیں "محققین کا قول یہ ہے اگر شرائط جواز جمع ہوں اور عوارض مانع و تقع ہو جائیں تو جائز ہے ورنہ ناجائز" (فیصلہ ہفت مسئلہ)

زیارتِ قبور

* مقدمہ شامی میں حضرت امام اعظم ابو حنیفہؓ کے مناقب میں حضرت امام شافعیؒ سے نقل فرماتے ہیں کہ "میں امام ابو حنیفہ سے برکت حاصل کرتا ہوں اور ان کی قبر پر آتا ہوں اگر مجھے کوئی حاجت درپیش ہوتی ہے تو دو رکعتیں پڑھتا ہوں اور ان کی قبر کے پاس جا کر اللہ سے دعا کرتا ہوں تو جلد حاجت پوری ہو جاتی ہے" مندرجہ واقعہ سے زیارتِ قبور کیلئے سفر کرنا اور صاحبِ قبر سے برکت حاصل کرنا ثابت ہے۔

قدمبوسی

* مشکوٰۃ شریف باب المصافحہ والمعانقہ فصلِ ثانی میں ہے "حضرت زراعؓ سے مروی ہے اور یہ وفد عبد القیس میں تھے فرماتے ہیں کہ جب ہم مدینہ منورہ آئے تو اپنی سواریوں سے اترتے

میں جلدی کرنے لگے پس ہم حضور کے ہاتھ پاؤں چومتے تھے۔"

بوسۂ مزار

☆ شرح بخاری لابن حجر پارۂ ششم ص۱۱۵

"ارکان کعبہ کے چومنے سے بعض علماء نے بزرگانِ دین وغیرہم کے تبرکات کا چومنا ثابت کیا ہے، حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے روایت ہے کہ ان سے کسی نے پوچھا کہ حضورؐ کی قبرِ انور چومنا کیسا ہے فرمایا کوئی حرج نہیں اور ابن الصنف یمانی سے جو کہ مکہ کے علمائے شافعیہ میں سے ہیں منقول ہے قرآن کریم اور حدیث کے اوراق بزرگانِ دین کی قبریں چومنا جائز ہیں۔ علامہ جلال الدین سیوطیؒ کے نزدیک بھی بوسہ مزاراتِ اولیاء جائز ہے (بحوالہ توشیح)

تعظیم آثار

☆ کتاب الحظر والاباحۃ ص۵۴ مولانا رشید احمد گنگوہی۔ "تعظیم دیندار کو کھڑا ہونا درست ہے اور پاؤں چومنا ایسے ہی شخص کا بھی درست ہے حدیث سے ثابت ہے"

☆ جس منبر پر حضورؐ خطبہ فرماتے تھے اس پر حضرت عبداللہ ابن عمرؓ اپنا ہاتھ لگا کر منہ پر رکھتے تھے (بحوالہ الشفاء شریف)

ہونٹوں سے چومنا

☆ مولانا اشرف علی صاحب کی مشہور تالیف "التکشف" سے حدیث "دو صد و سی و ششم عن اسید بن حضیر... ترجمہ حضرت اسید بن حضیر سے روایت ہے کہ ایک شخص انصار میں سے خوش مزاج تھے وہ ایک بار لوگوں میں ایک لکڑی جو آپ کے ہاتھ میں تھی دھکے سے، چھوادی وہ شخص کہنے لگے کہ یا رسول اللہ مجھکو بدلہ دیجئے آپ نے فرمایا کہ بدلہ لے لو انہوں نے عرض کیا کہ آپ کے بدن پر کرتہ ہے اور میرے بدن پر کرتہ نہ تھا آپؐ نے قمیص مبارک بدن سے اٹھا دیا وہ شخص آپ سے لپٹ گئے اور آپؐ کی کوکھ کو بوسے دینے لگے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ بس میرا تو یہ مطلب تھا۔ روایت کیا اس کو ابو داؤد نے تیسر ص۲۳۲ متفرقات تقبیل بدن شیخ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو محبین کی عادت ہے

کہ پیر کے ہاتھ کو یا پاؤں کو یا پیشانی کو بوسہ دیتے ہیں اس کا بھی کچھ حرج نہیں البتہ اِذن شرعی سے تجاوز نہ چاہیئے۔" صہ ۲۲۴

بوسۂ قبور

● مشہور عالم و فقیہہ حضرت شاہ عبد العزیز رح کے ملفوظات میں ہے "روزے بہ تقریب عرس.... الخ" (ترجمہ) ایک دن تقریب عرس میں میرے بھائی حضرت شاہ عبد القادر رح والد ماجد کی قبر پر باوجود دوری مسافت پیدل تشریف لے گئے اور واپس سوار آئے۔ اور اپنے پیروں کی قبروں کو جو جد و پدر بھی تھے ہاتھ سے بوسہ دیا پھر آخر کتاب صہ ۱۱۹ میں ہے۔ "ارشاد شد کہ امروز.... الخ"، ارشاد ہوا کہ آج حدیث میں دیکھا ہے کہ حضرت ابو ایوب رض جو ایک جلیل القدر صحابی ہیں حضور ؐ کے روضۂ مبارک پر اپنا منھ رکھکر رو رہے تھے الحمد للہ علیٰ ذالک جو فقہا ماں باپ اور شیخ کے مزارات کو چومنے سے منع کرتے ہیں، اسی دلیل سے نجات "امام سبکی رح نے دار الحدیث کے اُس فرش پر اپنا منھ رکھا جسکو امام کے قدم نے مس کیا تھا" (ماخوذ)

تحصیل برکات

● حضرت انس رض سے روایت ہے کہ حضرت ام سلیم رض رسول اللہ ؐ کیلئے ایک چمڑے کا بستر بچھا دیا کرتیں اور آپ (گاہ گاہ) ان کے گھر قیلولہ فرمایا کرتے دیہ آپ ؐ کی قریب کی کچھ رشتہ دار ہیں) جب آپ ؐ سو کر اٹھتے تو (اس بستر پر سے) آپ کا پسینہ اور بال (جو سر وغیرہ کا ٹوٹ جاتا) جمع کر لیتیں اور ایک شیشہ میں محفوظ رکھتیں پھر اس کو مرکب خوشبو میں ملاتیں جب حضرت انس رض جو کہ ام سلیم رض کے صاحبزادے ہیں وفات قریب پہنچی تو انہوں نے وصیت فرمائی کہ اس کے حنوط میں (جو کہ میت کے بدن اور کفن کو لگاتے ہیں اس مرکب خوشبو میں سے ملایا جائے (جس میں حضور ؐ کا پسینۂ مبارک تھا۔) روایت کیا اس کو بخاری، مسلم، نسائی نے تیسیر صہ ۲۵۶)

ف : رسم تحصیل تبرکات بزرگان دین کی تبس کی چیزوں کی رغبت اور اہتمام اور ان سے

...ات حاصل کرنا حیات اور موت میں بہ مقتضائے احادیث ثلثہ مشروع اور ثابت ہے (التکشف ص)

رسم تبرک

... تکشف سے ایک اور حوالہ — حضرت کبشہ انصاریہؓ سے روایت ہے کہ پیغمبر میرے یہاں تشریف لائے اور ایک مشک ٹنگی ہوئی تھی اس کے منہ سے کھڑے ہو کر پانی پیا پس میں اٹھی اور اس کا چمڑہ کاٹ لیا کہ (برکت کیلئے اپنے پاس رکھوں گی۔) روایت کیا اس کو ترمذی نے اور رزین نے اتنا اور زیادہ کیا کہ میں نے اس چمڑے کا ایک چھوٹا سا مشکیزہ بنا لیا کہ اس میں (برکت کے لیئے) پانی پیا کرتی تھی (تیسیر ص۱۹۸) — ف۔ رسم تبرک ... بر مستعملات الصالحین ... جس چیز کو بزرگوں کا بدن منہ یا ہاتھ لگا ہو معتقدین اس کو تبرک سمجھتے ہیں۔ اس حدیث سے اس کا صریح اثبات ہوتا ہے (ص۳۶)

سماع چشتیہ

۱۰ التکشف کا ص۳۹۶ "

حضرت عامرؓ بن سعد سے روایت ہے کہ میں ایک شادی میں حضرت قرظہ بن کعبؓ اور ابو مسعود انصاری کے پاس گیا تو چند لڑکیاں گیت گا رہی ہیں (جاریہ لغت میں نابالغ لڑکی کو کہتے ہیں)، میں نے کہا تم رسول اللہ صلعم کے صحابی ہو اور اہل بدر میں سے ہو اور باوجود اس کے تمہارے سامنے یہ شغل ہوتا ہے؟ ان دونوں نے فرمایا کہ تمہارا جی چاہے بیٹھو اور تمہارا جی چاہے چلے جاؤ۔ ہم کو شادی میں ایسے لہو کی اجازت دی گئی ہے (روایت کیا اس کو نسائی نے) ف: عادۃ سماع چشتیہ و مثلہم و ترک سماع نقشبندیہ و نحوہم "اہل حق کے دونوں گروہ اہل سماع و غیر اہل سماع کے ان دونوں عمل کا منشاء صحیح ہے ایک پر شوق کا غلبہ ہے دوسرے پر احتیاط کا غلبہ . . . . جب تفریح اسماع جسمیہ ایک درجہ تک مرخص فیہ ہے تو تفریح اسماع روحیہ کسی درجہ تک کیوں نا ماذون ہو گی؟"

استعانت بالاولیاء

○ "حضرت امام غزالی نے فرمایا کہ جس سے مدد مانگی جا سکتی ہے اس سے بعد وفات بھی مدد مانگی جا سکتی ہے" (بحوالہ اشعۃ اللمعات باب زیارت قبور)

★ مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندی اپنے ترجمۂ قرآن میں "ایاک نستعین" کے تحت فرماتے ہیں" ہاں اگر کسی مقبول بندے کو واسطہ رحمتِ الٰہی اور غیر مستقل سمجھ کر استعانت ظاہری اس سے کرے تو یہ جائز ہے کہ یہ استعانت در حقیقت حق تعالیٰ ہی سے استعانت ہے۔

★ امداد الفتاویٰ مصنفہ مولوی اشرف علی صاحب، کی جلد ۴ کتاب العقائد الکلام کے صفحہ ۹۹ میں ہے جو "استعانت و استمداد باعتقاد علم و قدرت، مستقل ہو وہ شرک ہے اور جو باعتقاد علم و قدرت غیر مستقل ہو اور وہ علم و قدرت کسی دلیل سے ثابت ہو جائے تو جائز ہے خواہ مستمد منہ حی ہو یا میت"۔

آدابِ محبت

مولانا حسین احمد مدنی کی تالیف" الشہاب الثاقب" کے چند اوراق

مدینے کے راستے

★ حضرت مولانا گنگوہی زبدۃ المناسک ص ۶۷ میں تحریر فرماتے ہیں، اور جب مدینہ منورہ کو چلے تو کثرت درود شریف راہ میں کرتا رہے۔۔۔۔ جب عمارت وہاں نظر آئے تو درود پڑھ کر کے اللھم ھذا حرم نبیک۔۔۔۔ الخ اور مستحب ہے کہ غسل کرے یا وضو کرے اچھا لباس پہنے نئے کپڑے ہوں تو بہتر ہے پیدل سے پیادہ ہولے خشوع خضوع جس قدر ہو سکے فروگذاشت نہ کرے اور عظمت مکان کی خیال کئے ہوئے درود شریف پڑھتا ہوا چلے، جب مدینہ منورہ میں داخل ہو کہے رب ادخلنی۔۔۔۔ الخ

ادب اور قلب حضور دعا اور درود شریف بہت پڑھے۔ وہاں جا بجا قدم رسول صلعم ہیں حضرت امام مالک رضؓ مدینہ منورہ میں سوار نہیں ہوتے تھے فرماتے تھے مجھے حیا آتی ہے کہ سواری کے کھروں سے اس زمین کو پامال کروں کہ جس میں جبیب صلعم چلے پھرے ہوں اور بعد تحیۃ المسجد کے سجدہ کرے اللہ نے یہ نعمت اس کے نصیب کی پھر روضہ کے پاس حاضر ہو اور با ادب تمام خشوع کھڑا ہو اور زیادہ قریب نہ ہو اور دیوار کو ہاتھ نہ لگائے کہ محل ادب اور ہیبت ہے اور حضرت صلعم کی لحدِ شریف میں قبلہ کی طرف چہرۂ مبارک کئے ہوئے تصور کرے اور کہے السلام علیکم یا رسول اللہ الخ اور بہت پکار کر نہ بولے آہستہ خضوع اور ادب سے بنرمی عرض کرے ۴۹ ص ۵۰

خاکِ طیبہ یا سرمۂ چشم

○ مولانا رشید احمد گنگوہی کے یہاں تبرکات میں حجرۂ مطہرہ نبویہ کے غلاف ایک سبز ٹکڑا بھی تھا بروز جمعہ کبھی کبھی حاضرین وخدام کو جب ان تبرکات کی زیارت خود کراتے تھے۔ صندوقچہ اپنے دستِ مبارک سے کھولتے اور غلاف کو نکال کر اول اپنی آنکھوں سے لگاتے اور منھ سے چومتے تھے۔ مدینہ منورہ کی کھجوریں آتیں تو یہاں نہایت عظمت وحفاظت سے رکھی جاتیں اور اوقات مبارکہ متعددہ میں خود بھی استعمال فرماتے اور نہایت تعظیم وادب سے اس طرح تقسیم فرماتے کہ گویا نعمت غیر مترقبہ اور اثمار جنت ہاتھ آگئے ہیں۔ مدینہ منورہ کے کھجوروں کی گٹھلیاں نہایت حفاظت سے رکھتے لوگوں کو پھینکنے نہ دیتے اور نہ خود پھینکتے ان کو ہاون دستہ میں کٹوا کر نوش فرماتے مثل چھالیوں کے لوگوں کو استعمال کرنے کی ہدایت فرماتے تھے۔

ہوائے مدینہ

بعض مخلصین نے کچھ کپڑے مدینہ منورہ سے خدمتِ اقدس میں تبرکاً ارسال کئے

حضرت (مولانا رشید احمد گنگوہی) نے تعظیم اور وقعت کی نظر سے ان کو دیکھا اور شرف قبول سے ممتاز فرمایا۔ بعض طلباء حضار مجلس سے عرض بھی کیا کہ حضرت اس کپڑے میں کیا برکت حاصل ہوئی یورپ کا بنا ہوا ہے تاجر مدینہ لائے وہاں سے لوگ خریدے کوئی وجہ تبرک نہیں معلوم ہوئی حضرت نے شبہہ رد فرمایا کہ مدینہ منورہ کی اس کو ہوا تو لگی ہے اسی وجہ سے اس کو اعزاز و برکت حاصل ہے۔

قبر رسولؐ کے آگے

• خود احقر (مولانا حسین احمد مدنی) نے مولانا رشید احمد سے سوال کیا کہ بعد چالیس روز کے جالی شریف میں اندر (روضہ) حجرۂ مطہرہ اہل مدینہ بچوں کو داخل کرتے ہیں، اور خادم روضہ مطہرہ اس کو لے جا کر سامنے روضہ اقدس کے قبلہ کی طرف کھڑا کر دیتا ہے اور دعا مانگتا ہے یہ فعل کیسا ہے تو آپ نے استحسان فرمایا اور پسند کیا۔" الشہاب ثاقب ص ۵۳-۵۲

سبز گنبد کا ادب

* مولانا قاسم نانوتوی بانی مدرسہ دیوبند کے تعلق سے بھی مولانا حسین احمد مدنی نے لکھا ہے کہ وہ مدینہ طیبہ میں" چند منزل برابر اونٹ پر سوار نہ ہوئے حالاں کہ اونٹ ان کی سواری کا موجود تھا اور خالی رہا پیر میں زخم پڑ گئے تھے اور کاٹنے لگے تھے تمام عمر (سبز رنگ کا) جوتا اس وجہ سے نہ پہنا کہ قبۂ مبارک سبز رنگ کا ہے۔

(الشہاب ثاقب ص ۵۰)

نعرۂ رسالت

* لفظ یا رسول اللہ علیہ السلام اگر بلحاظ معنیٰ اسی طرح نکلا ہے جیسے لوگ بہ وقت مصیبت و تکلیف ماں اور باپ کو پکارتے ہیں تو بلا شک جائز ہے۔ علیٰ ہذا القیاس اگر بلحاظ معنی درود شریف کے ضمن میں کہا جائے گا تو بھی جائز ہو گا

علیٰ ہذا القیاس۔ اگر کسی سے غلبۂ محبت و شدتِ وجد و توقیر عشق میں نکلا ہے تب بھی جائز ہے اور اگر اس عقیدہ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ حضور اکرمؐ تک اپنے فضل و کرم سے ہماری ندا کو پہنچا دے گا اگرچہ ہر وقت پہنچا دینا ضروری نہ ہوگا مگر اسی امید پر وہ ان الفاظ کو استعمال کرتا ہے تو اس لیئے بھی کوئی حرج نہیں۔ علیٰ ہذا القیاس۔ اصحاب ارواح طاہرہ و نفوسِ ذکیہ جن کو بُعد مکانی اور کثافت جسمانی اپنے فرائض کی تبلیغ مانع نہ ہوں اس میں کوئی قباحت نہیں مگر ہر دو طریقہ اخیرؐ عوام کے سامنے نہ کرنا چاہیئے۔ ....."

(الشہاب ثاقب صلا۶)

گستاخ نبیؐ اور سزائے قتل

* لطائفِ رشیدیہ ص۲۲ میں مولانا رشید احمد گنگوہی " در بارۂ استعمال لفظ بت یا صنم یا آشوب ترک یا فتنہ عرب بہ نسبت حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ یہ الفاظ قبیحہ بولنے والا اگرچہ معانی حقیقتہ مراد نہیں رکھتا بلکہ معنیٰ مجازی مقصود لیتا ہے مگر تاہم ابہام گستاخ و اہانت و اذاتِ پاک حق تعالیٰ شانہٗ اور جناب رسول اکرمؐ سے خالی نہیں۔ یہی سبب ہے کہ حق تعالیٰ نے لفظ راعنا بولنے سے منع فرمایا اور انظرنا کا لفظ عرض کرنا ارشاد فرمایا الخ اس بحث کو نہایت بسیط کے ساتھ ذکر فرمایا ہے اور جن الفاظ میں ایہام گستاخی و بے ادبی ہوتا تھا ان کو بھی باعثِ ایذا جناب رسالت مآب علیہ السلام ذکر کیا اور آخر میں فرمایا کہ " بس ان کلمات کفر بکنے والے کو منع شدید کرنا چاہیئے اگر مقدور ہو اور باز نہ آئے قتل کرنا چاہیئے کہ موذی و گستاخ شانِ جناب کبریا تعالیٰ شانہٗ اور اس کے رسول امین صلعم کا ہے۔" الشہاب ثاقب صد۵"

مولانا قاسم نانوتوی اور تراثِ محمدی

تو فخرِ کون و مکاں زبدۂ زمین و زماں | امیر لشکرِ پیغمبراں، شہہِ ابرار
تو بوئے گل ہے اگر مثلِ گل ہیں اور نبی | تو نورِ دیدہ ہے گر ہیں وہ دیدۂ بیدار
جہاں کے سارے کمالات ایک تجھ میں ہیں | تیرے کمال کسی میں نہیں مگر دو چار
کہاں بلندیٔ طور اور کہاں تری معراج | کہیں ہوئے ہیں زمین اور آسماں ہموار
خوشا نصیب یہ نسبت کہاں نصیب مرے | تو جس قدر ہے بھلا میں برا اسی مقدار
یہ سن کے آپ شفیعِ گناہگاراں ہیں | کئے ہیں میں نے اکٹھے گناہوں کے انبار

مدد کر اے کرم احمدی کہ تیرے سوا
نہیں ہے قاسم بے کس کا کوئی حامیٔ کار

تجلیاتِ آثار

دسمبر ۱۹۵۹ء کے ماہنامہ تجلی دیوبند میں آثار و باقیات کی تعظیم کے زیرِ عنوان قدم شریف کے بارے میں کسی صاحب کا سوال اور مدیرِ تجلی مولانا عامر عثمانی فاضل دیوبند کا تفصیلی جواب شائع ہوا ہے جس کا کچھ اقتباس یہاں نقل ہے:

مدیرِ تجلی نے جواب میں اس بحث کی دو شقیں قائم کی ہیں اور پہلی شق کے بارے میں لکھتے ہیں "ہم یقینی طور پر کہہ سکتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام کے بعض آثار و تبرکات کی تعظیم و تکریم اسلامی تصورات کے عین مطابق ہے اور ان سے خیر و برکت کے حصول کی توقع محض توہم نہیں ہے

بلکہ عقل اور نقل دونوں گواہی دیتے ہیں کہ جس طرح برگزیدہ اشخاص و افراد کی ذاتِ گرامی خیر و برکت کا سرچشمہ ہوتی ہے۔ اسی طرح ان کے آثار و باقیات میں بھی کچھ نہ کچھ خیر و برکت کا اثر ہونا ہی چاہیئے۔"

دوسری شق یہ ہے کہ

"فی زمانہ تکریم آثار و حصول برکت وغیرہ کے ناموں سے جو کچھ ہو رہا ہے وہ فی الحقیقت مذکورہ احادیث و آثار کی تعمیل نہیں بلکہ ان کا تمسخر ہے سب سے پہلی واضح خرابی تو یہ ہے کہ جس بال یا قدم یا لباس کے بارے میں دعویٰ کر دیا جاتا ہے کہ یہ رسولؐ کا ہے اس کا حضورؐ کی طرف منسوب ہونا تو کھلم کھلا غلط ہوتا ہے یا کم سے کم مشکوک تو ہوتا ہی ہے۔

(یہ سلسلۂ آدابِ محبت ماخوذ از الشہاب الثاقب ص۶۳ سے آگے)

سرمہ ہے میری آنکھ کو

احقر (مولانا حسین احمد مدنی) ماہ ربیع الاول ۱۳۱۹ھ بہ ہمراہی بھائی محمد صدیق صاحب جب حاضرِ خدمت ہوا تھا تو بھائی صاحب سے پہلے ہی حاضری میں حضرت قدس سرہ نے دریافت فرمایا کہ حجرۂ شریف علیٰ صاحب الصلوٰۃ والسلام کی خاک بھی لائے ہو یا نہیں۔ چونکہ وہ احقر کے پاس موجود تھی اس لیئے باب الیسادہ پیش کش خدمتِ اقدس کیا تو نہایت وقعت اور عظمت سے قبول فرما کر سرمہ میں ڈالو اور روزانہ بعد عشاء

خواب استراحت فرماتے وقت اتباعاً لِلسنۃ اس سرمہ کو آخر عمر تک استعمال فرماتے رہے اس قصہ سے عام خدام واقف ہیں۔" ص۵۳

روغن زیتون، چراغ سے پیٹ میں

"حجرۂ مطہرہ کا جلا ہوا تیل حضرت کے بعض مخلصین نے ارسال کیا تھا۔ حضرت نے باوجود نزاکت طبعی کے ...... اس کو پی ڈالا ...... پیشانی پر بل نہ پڑنے دیا گویا نہایت لذیذ و خوشگوار چیز نوش فرما رہے ہیں۔"

زیارت روضۂ اطہر

مولانا رشید احمد گنگوہی 'زبدۃ المناسک' میں تحریر فرماتے ہیں

"اب جان لے کہ زیارتِ روضہ مطہرہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی افضل المستحبات ہے بلکہ بعض نے قریب واجب کے کہا ہے۔"

" الشہاب الثاقب ص۲۱ "

جواز میلاد و قیام

(حضرت مولانا حاجی امداد اللہ رح کی تالیف "کلیاتِ امدادیہ" سے)۔

اس میں تو کسی کو کلام ہی نہیں کہ نفسِ ذکر ولادت شریف حضرت فخر آدم سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم موجبِ خیرات و برکات دنیوی و اُخروی ہے صرف کلام بعض تعینات و تخصیصات تقلیدات میں ہے جن میں بڑا

امر قیام ہے۔ بعض علماء ان امور کو منع کرتے ہیں بقولہ علیہ السلام کل بدعۃ ضلالۃ" اور اکثر علماء اجازت دیتے ہیں۔ لا طلاق دلائل فضیلۃ الذکر۔ اور انصاف یہ ہے کہ بدعت اس کو کہتے ہیں کہ غیر دین کو دین میں داخل کیا جائے۔ کما یظہر من التامل فی قولہ علیہ السلام من احدث فی امرنا ھذا مالیس منہ فھو رد"۔

[الحدیث]

پس ان تخصیصات کو اگر کوئی شخص عبادت مقصود نہیں سمجھتا بلکہ فی نفسہ مباح جانتا ہے مگر ان کے اسباب کو عبادت جانتا ہے اور ہیئت مسبب کو مصلحت سمجھتا ہے تو بدعت نہیں۔"

محفلِ میلاد اور امکان تشریف آوری

"رہا یہ اعتقاد کہ مجلسِ مولد میں حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم رونق افروز ہوتے ہیں اس اعتقاد کو کفر و شرک کہنا حد سے بڑھنا ہے۔ یہ امر ممکن ہے عقلاً و نقلاً بلکہ بعض مقامات پر اس کا وقوع بھی ہوتا ہے۔ رہا یہ شبہ کہ آپ کو کیسے علم ہوا یا کئی جگہ کیسے ایک وقت میں تشریف فرمائے یہ ضعیف شبہ ہے آپ کے علم روحانیت کی وسعت جو دلائل نقلیہ وکشف سے ثابت ہے اس کے آگے یہ ایک ادنیٰ سی بات ہے۔ علاوہ اس کے اللہ کی قدرت تو محلِ کلام نہیں اور یہ بھی ہوسکتا ہے اپنی جگہ تشریف رکھیں اور درمیانی حجاب اٹھ جاویں۔ بہر حال ہر طرح یہ امر ممکن ہے۔" (کلیات امدادیہ ص ۸۵)

بدعت حسنہ

اثباتِ بدعت حسنہ اور جواز فاتحہ، مروجہ میلاد اور توسل وغیرہ پر حضرت مصنف کی یہ معرکۃ الآرا تصنیف ہے جس میں قرآن، احادیث اور دیگر مستند حوالوں کے ساتھ بہت ہی بے باکانہ قلم اٹھایا گیا ہے، کتاب عوام اور خواص میں بے حد مقبول ہوتی جارہی ہے۔

چنانچہ چند ہی مہینوں میں اِس کتاب کی شہرت ہندوستان، اور پاکستان کے گوشے گوشے میں پہنچ چکی ہے۔

ذیل میں چند مشاہیر علماء و مشائخ کی آراء کا اہم اقتباس ملاحظہ ہو:

عالی جناب مولانا قاضی محمد عبدالصمد صاحب صارمؔ

(فاضل دیوبند و فاضل جامعہ ازہر (مصر)، لکچرار اورینٹیل کالج لاہور۔ پاکستان)

"معلوم ہوتا ہے آپ نے اس سلسلہ میں بہت کاوش کی ہے گو مجھے آپ کے بعض خیالات سے اختلاف ہے لیکن اِس میں شک نہیں کہ آپ نے کافی تحقیقات کی ہے اور مسائل کو اچھی طرح سلجھانے کی کوشش کی ہے۔"

عالی جناب حضرت مولانا مفتی سید محمود صاحب

(خطیب مکہ مسجد و شیخ الجامعہ نظامیہ حیدرآباد)

"رسالہ... بدعتِ حسنہ نظر سے گزرا جس میں بدعت حسنہ اور بدعتِ سیئہ کے فرق کو قاطعہ و حجج ساطعہ کتاب اللہ و سنت رسول اللہ اور علماء و فقہاء اہل سنت الجماعت کے فتاویٰ اور معتبر اقوال کے حوالوں سے بہ حسن و خوبی و خوش اسلوبی سے واضح کیا ہے۔ جو ہر آئینہ حق و صواب قرین اور بفحوائے

ع "گر حفظ مراتب نکنی زندیقی" کا مصداق صحیح ترین ہے اور مصنف پر تملیق کی دلی تمنا کے مطابق ذخیرہ آخرت و وسیلہ مغفرت کا ضمین ہے۔"

عالی جناب مولانا سید محمد بادشاہ حسینی صاحب رح
واعظ مکہ مسجد و معتمد علمائے دکن

" میری رائے ہے کہ آپ نے اس رسالہ میں قابلِ تعریف مواد جمع کیا ہے جزاکم اللہ احسن الجزاء۔ انشاء اللہ تعالیٰ یہ رسالہ عوام کیلئے بہت مفید ہوگا اور سست عقیدوں کی گمراہی سے بہت سے مسلمان محفوظ رہیں گے۔



* کلمۂ طیبہ — از حضرت غوثی شاہ صاحب رح — بار سوم
* مقصدِ بیعت — از حضرت غوثی شاہ صاحب رح — بار دوم
* نور النور — از حضرت غوثی شاہ صاحب رح — بار چہارم

(زیر اشاعت)

* معیتِ الٰہ — از حضرت غوثی شاہ صاحب رح (تصوف)

موجود ہے

* طیباتِ غوثی — از حضرت غوثی شاہ صاحب رح — بار چہارم

(منظومات) موجود ہے

* سیرِ عبدیت — از حضرت مولانا صحوی شاہ رح — بار دوم

(واقعۂ معراج)

زیر اشاعت

* نذرِ مدینہ — از حضرت مولانا صحوی شاہ صاحب رح — بار دوم

(نعتیں)

زیر اشاعت

* کتاب مبین — از حضرت مولانا صحویؔ شاہ صاحب — بار دوم
(تفسیرِ سورۂ بقرہ)
زیرِ اشاعت

* تشریحی ترجمۂ قرآن — از حضرت مولانا صحوی شاہ صاحب رحؒ
(الم ترا تا والناس)
زیرِ اشاعت — بار دوم

* منظوم ترجمۂ قرآن — از حضرت مولانا صحویؔ شاہ صاحب رحؒ
(الم ترا تا والناس)
زیرِ اشاعت — بار دوم

* گیارہ مجالس — مرتبہ از حضرت مولانا صحوی شاہ صاحب رحؒ
زیرِ اشاعت — بار دوم

* تقدیسِ شعر معہ اضافات — از حضرت مولانا صحوی شاہ صاحب رحؒ
(غزلیں)
زیرِ اشاعت — بار دوم

* تطہیرِ غزل — از حضرت مولانا صحوی شاہ صاحب رحؒ
(مجموعۂ کلام) زیرِ اشاعت — بار دوم

* جام بہ جام — از حضرت مولانا حکیم ہلال اکبری شاہ صاحب رحؒ
اردو رباعیات
ترجمہ رباعیات حضرت ابوسعید ابوالخیر رحؒ

* خرمنِ کمال — مرتبہ مولانا صحوی شاہ صاحبؒ (دکنی زبان میں نظمیں اور غزلیں) انتخاب مخزن العرفان از حضرت شاہ کمال — بار دوم
* اشاراتِ سلوک — از حضرت مولانا صحوی شاہ صاحبؒ (تعلیماتِ غوثیہ) — بار سوم
* سلسلۃ النور — از حضرت مولانا صحوی شاہ صاحبؒ (شجرۂ بیعت) — بار سوم
* بدعت حسنہ — از حضرت مولانا صحوی شاہ صاحبؒ — بار چہارم
* ردِ منافقت — از حضرت مولانا صحوی شاہ صاحبؒ — بار دوم
* میزان الطریقت — از مولانا غوثوی شاہ صاحب — بار دوم
* رسولِ جہاںؐ — از مولانا غوثوی شاہ صاحب (زیر اشاعت) — بار دوم
* اسرار الوجود — از مولانا غوثوی شاہ صاحب (زیر اشاعت) — بار دوم
* انا الحق — از مولانا غوثوی شاہ صاحب (عنقریب زیر اشاعت)
* تذکرۂ نعمان * تاریخِ صوفی * قرآن سے انٹرویو
* تاج الوظائف * مراۃ العارفین * کبریتِ احمر
* گلکدۂ خیال * جوہر سلیمانی از حضرت امام حسن رضؓ
* مواعظِ غوثی — از حضرت غوثی شاہ صاحبؒ

ناشر

اِدارۂ النورؒ : بیت النور، چنچل گوڑہ، حیدرآباد ۲۴

"نذرِ مدینہ" کا ایک ورق

از: حضرت صحوی شاہ رح

رخسارِ محمدؐ کی ضیاء چاروں طرف ہے
انفاسِ محمدؐ کی ہوا چاروں طرف ہے

ہر قلب ہے سرشار مئے حُبِّ نبی سے
زُلفانِ محمدؐ کی گھٹا چاروں طرف ہے

ہیں اصل میں یہ حسنِ محمدؐ کی ادائیں
شب ہو کہ سحر صبح و مسا چاروں طرف ہے

ظلمت بھی ہر اک شئے کی اُجاگر ہے اِسی سے
تنویرِ محمدؐ کی ضیاء چاروں طرف ہے

رحمانِ دو عالم نے ظہور اپنا کیا ہے
ہاں! جلوۂ احمدؐ ہی چھپا چاروں طرف ہے

پلتا ہے زمانہ اِسی سایہ میں ازل سے
پھیلی ہوئی رحمت کی رِدا چاروں طرف ہے

ہم دل سے فدا، جان سے قربان ہیں جس کے
وہ صورت ہر شئے سے کھلا چاروں طرف ہے

کب بند ہوا عقدۂ پنہاں محمدؐ
دروازہ حقیقت کا تو وا چاروں طرف ہے

جس سمت جدھر دیکھو تو ہی جلوہ نگن ہے ؛ صحوی بھی ترے در پہ فدا چاروں طرف ہے

"گل کدہ خیال" کا اک ورق

از ـــــ مولانا غوثوی شاہ ساجد

رموزِ خودی

کوئی پوچھے تو سہی مجھ سے کہ کیا کیا میں ہوں
ذرّہ ہوں، مہر ہوں یا قطرہ، ہوں دریا میں ہوں

ایک میں ہی ہوں کہ مجھ سے ہے دو عالم قائم
کیا بتاؤں کہ میں کس طرح ہوں کیسا میں ہوں

کوئی مدّاح میرا ہے کوئی دشنام طراز
کہیں مشہورِ زمانہ، کبھی رسوا میں ہوں

نیکیوں کے مری چرچے بھی ہیں محفل میں کہیں
اور احباب کے نزدیک تماشا میں ہوں

نہ ہی سمجھا ہے، نہ سمجھے گا ملک میرا مقام
آپ خود اپنی حقیقت کا معمہ میں ہوں

عالم کون و مکاں میرے ہی جلوے کی جھلک
مثلِ مرا تو نہیں کوئی کہ یکتا میں ہوں

کب سمایا کوئی وسعت کو میری اے ساجد
ایک میں ہی ہوں کہ اپنے میں سماتا میں ہوں

○

منقبت

در شانِ امام اعظم ابو حنیفہ رح

از ــــــ مولانا غوثوی شاہ ساجد صاحب

بو حنیفہ ہیں اماموں کے امام
ہیں یقیناً آیتِ خیر الانام صلعم

علم میں اوجِ ثریا ہے مقام
مژدۂ فخرِ رسل خیر الانام صلعم

ہم ہیں ناچیز اور وہ عالی مقام
کر سکیں کیا مدح ان کی خیر الانام صلعم

گوشہ گوشہ دین کا روشن کیا
آپ ہیں مہر، آپ ہیں ماہِ تمام

متبع ہیں اولیاء اور اصفیا
دین جن کا ہے حنیف ان کے امام

اہلِ سنت پیروانِ مصطفٰے صلعم
بو حنیفہ اہلِ سنت کے امام

غوثوی ساجد بھی ہے اک مقتدی
بو حنیفہ آپ ہیں اس کے امام

معاونین

۱۔ الحاج مولانا شاہ محمد یونس صاحب (خلیفہ حضرت صحوی شاہ صاحب)

۲۔ مولانا ڈاکٹر شاہ سراج الدین عشقی صاحب (خان آفتاب)، بمبئی ۔

۳۔ مولانا شاہ عبد الغنی صاحب، بلاری

۴۔ مولانا عبد الرزاق صاحب حالائی (میمن) حیدرآباد

۵۔ مولوی شاہ محمد مولانا صاحب ۔ حیدرآباد

۶۔ شاہ محمد مشتاق احمد صاحب کمالی

اورنگ آباد

۷۔ شاہ توفیق احمد صاحب (الکمالیہ)

حیدرآباد

۸۔ شاہ سید ہدایت الحسن صاحب کمالی

حیدرآباد

"تقدیسِ شعر"

سلام بحضور خیر الانام

بشیراً نذیرا سلامٌ علیکم
سراجاً منیرا سلامٌ علیکم

اندھیروں کو غفلت کے اک نور بخشا
ڈرایا ہنسایا سلامٌ علیکم

ازل سے ہی اس در سے وابستگی ہے
غلاموں کے آقا سلامٌ علیکم

بصیرت عطا کی گئی ہے تم ہی سے
تجلّی مولا سلامٌ علیکم

جسے تم نے چاہا اسے حق نے چاہا
اُو رحمت سراپا سلامٌ علیکم

تمہارے تبسّم کا پرتو یہ جنت
نگارِ مدینہ سلامٌ علیکم

گلستانِ عالم میں نکہت بھی تم کا سے
بہارِ تمنّا سلامٌ علیکم

نگاہوں کا نور اور روحوں کی راحت
دلوں کا دُلارا سلامٌ علیکم

وہ تم ہی تھے سو شان سے آگئے جو
نویدِ مسیحا سلامٌ علیکم

تمہارے ہی نقشِ قدم کی تجلی
یہ دُنیا وہ عقبیٰ سلامٌ علیکم

ان عارض پہ قربان ہوں چاند سورج
تم اُن کا اُجالا سلامٌ علیکم

تمہاری ہی زلفوں کی چھاؤں گھٹائیں
وہ لب برق آسا سلامٌ علیکم

بس اب چوم لوں بڑھ کے دہلیز در کی
یہی ہے تمنّا سلامٌ علیکم

حضوری میں سر سے چلا آئے صحوی
اگر ہو بُلاوا سلامٌ علیکم